وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا ٱلۡقُرۡءَانَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٍ

اورہم نے قرآن کوسمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 10	ذی الحجہ 1435ھ	اکتوبر 2014ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
حافظ مختار احمد گوندل
پروفیسر خلیل الرحمٰن
محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 400روپے، قیمت فی شمارہ 40روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ انفطار	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	یہ قربانی کیا ہے؟	حافظ عطاء الرحمٰن	30
5	حیا اسلامی معاشرے کا شعار	افشاں نوید	36
6	اقوامِ مغرب کا مثالی معاشرہ	انجینئر مختار فاروقی	39
7	’’اکیڈمی‘‘ کی جدید اصطلاح یونانی پس منظر رکھتی ہے	جمیل احمد	47
8	مکتبہ قرآن اکیڈمی کی تازہ اشاعت پر اہل علم کے تاثرات		49
	نیو ورلڈ سسٹم / نیو ورلڈ آرڈر	محمد فہیم خان	51

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ الانفطار

(82)، آیات 19، رکوع 1

اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی آیات میں بھی ظہور قیامت کے وقت آسمان و زمین میں برپا ہونے والی ہلچل کا مختصر ذکر ہے کہ اوّلاً اس حیاتِ انسانی کو فنا کر دیا جائے گا پھر تمام انسان دوبارہ زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکلیں گے پھر حساب کتاب کے بعد ہر انسان جان لے گا کہ اس نے کس چیز کو ترجیح دی تھی اور کس چیز کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ پھر انسان کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ تجھے اپنے اُس کریم ربّ کے بارے میں کس نے دھوکے میں ڈال دیا ہے جس نے تجھے وجود بخشا اور بہترین جسم اور معتدل اعضا دیے۔ بے شک وہ بڑا کریم ہے البتہ اس کی تخلیق، قدرت و حکمت کی صفات سے یہ بات بھی بالکل عیاں ہے کہ وہ بڑا عادِل بھی ہے لہٰذا وہ بندوں کو عدل و انصاف کے ساتھ ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس کے معزز فرشتے تمہارے سارے افعال و اقوال کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ یقیناً جزا و سزا کا دن آ کر رہے گا اُس دن نیک لوگوں کو نعمتوں کی زندگی نصیب ہوگی اور بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ اس دن کوئی کسی کے کام نہ آ سکے گا، فیصلے کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں گے۔

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ O

جب آسمان پھٹ جائے گا

وَ اِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ O

اور جب تارے جھڑ پڑیں گے

وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ O

اور جب دریا بہہ (کر ایک دوسرے سے مل) جائیں گے

وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ O

اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی

عَلِمَتْ نَفْس مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ O

تب ہر شخص معلوم کرلئے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ O

اے انسان تجھ کو اپنے پروردگار کرم گستر کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟

الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ O

(وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور (تیرے) اعضاء کو ٹھیک کیا

اور (تیری قامت کو) معتدل رکھا

فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ O

اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا

کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ O

ہرگز نہیں۔ بلکہ تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو

وَ اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ O کِرَامًا کَاتِبِیْنَ O

حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں عالی قدر (تمہاری باتوں کے) لکھنے والے۔

یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ O

جو تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ؟ قَالَ: سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ قَالُوا: فَمَا لَنَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: بِكُلِّ شَعَرَةٍ، حَسَنَةٌ قَالُوا: فَالصُّوفُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔ قَالَ: بِكُلِّ شَعَرَةٍ مِنَ الصُّوفِ، حَسَنَةٌ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ہمارے لیے ان میں کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قربانی کے جانور کے) ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! پھر اُون (کا کیا حکم ہے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی ہے۔

(ابن ماجہ، عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ)

شامتِ اعمالِ ماصورتِ 'دھرنا' گرفت

(پاکستان کا نظریاتی اِفلاس ریاستی ستونوں کو دیمک کی طرح کھا رہا ہے)

انجینئر مختار فاروقی

(تحریر: 20 ستمبر 2014ء)

آج ہمارے ملک پاکستان کی صورت حال بہت ناگفتہ بہ ہے اور معلوم نہیں کہ اس تحریر کے قارئین کے ہاتھوں میں پہنچنے تک صورت حال کیا ہو۔ ملک میں گزشتہ ایک ڈیڑھ ماہ سے (14/اگست 2014ء) شاہراہ دستور پر دو جماعتوں کے کارکنان کے دھرنے نے ملک میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر رکھی ہے اور شاہراہ دستور 'جمعہ بازار' یا کسی خیمہ بستی کا نقشہ پیش کرتی نظر آتی ہے۔ اس پر مستزاد جناب طاہرالقادری اور جناب عمران خان کی ہیجانی، جذباتی اور للکارتی تقریریں ہیں جنھوں نے ملک کے تمام پڑھے لکھے طبقات کو ایک انجانے خوف (FEVER) میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان دھرنوں میں اس دوران مردوں کے ساتھ عورتیں بھی کثیر تعداد میں شریک ہیں۔ عورتوں کا یہ ہجوم اپنی بے ہودگی، بے حیائی اور بازاری پن کے انداز کی وجہ سے اہل راولپنڈی/ اسلام آباد کے لیے تفریح کا سامان پیدا کر رہا ہے۔ یہ دھرنے بطور 'نائٹ کلب' کے اپنے ہم خیالوں کے لیے درخشاں مستقبل کی 'نوید سحر' بنے ہوئے ہیں۔

اس پر مستزاد انہیں دھرنوں کے شرکاء کا سپریم کورٹ، پارلیمنٹ، سیکرٹریٹ اور پی ٹی وی پر جارحانہ رویہ ہے اور پی ٹی وی کی نشریات تک بند کر دینے کا معاملہ ہے۔ یہ جارحیت کا رویہ ہے مختلف پہلوؤں سے مخالفین کو چیلنج کرنے کا انداز ہے۔ انداز خطاب بھی ہر آنے والے دن تلخ سے تلخ تر ہو رہا ہے۔ لگتا ہے کہ دھرنوں میں شریک عوام کا بھی صبر کا پیمانہ لبریز ہوا جاتا ہے اور دونوں

ساقیٔ محفل بھی تھک گئے ہیں، پیرِ مغاں اور سازندے بھی 'مقطع' کا مصرعہ بار بار ادا کر کے دھرنے کی اس محفلِ شبانہ کے برخاست ہونے کا اشارہ دے رہے ہیں۔

ان دھرنوں کے بارے میں آغاز سے اب تک میڈیا میں بے شمار تبصرے ہوئے ہیں اور ابھی جاری ہیں اور ان دھرنوں کے شرکاء نے کئی سوالات اُٹھا دیے ہیں جو زبان زدِ عام ہیں اور پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں گردش کر رہے ہیں۔ بطورِ نمونہ چند سوالات پیشِ خدمت ہیں:

● دھرنوں کے ان شرکاء کی حقیقت کیا ہے؟ واقعی یہ لوگ تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے کارکن ہیں؟ ● کارکن اور ہم خیال ہیں یا نہیں، دونوں صورتوں میں کیا انہیں پیسے دے کر لایا گیا ہے یا صرف اپنے قائد کی شخصیت اور نظریاتی جذبے سے آئے ہیں۔ ● یہ دھرنوں کی مہم جوئی کس کا آئیڈیا تھا؟ قابلِ احترام طاہر قادری صاحب کا یا جناب عمران خان صاحب کا۔ ان دونوں دھرنوں میں قدرِ مشترک کیا ہے؟ کیا یہ محض اتفاق ہے کہ دونوں دھرنے لاہور سے چلے اور اسلام آباد میں ایک ہی دن ایک ہی جگہ پہنچ گئے۔ ● کیا ان دھرنوں کی مشترکہ منصوبہ بندی کی گئی تھی اور ملاقاتیں ہوئی تھیں یا اتفاقیہ طور پر ان میں بہت سے اقدار مشترک ہیں۔ ● ان دھرنوں کی منصوبہ بندی کے لئے ملاقاتیں ہوئی تھیں تو وہ کس نے ARRANGE کی تھیں۔ جناب چوہدری شجاعت صاحب اور جناب شیخ رشید صاحب کا ان دھرنوں اور جماعتوں سے کیا رشتہ ہے؟۔ ● کیا ان ملاقاتوں میں کوئی 'سکرپٹ' سامنے آیا تھا کوئی روڈ میپ تھا۔ وہ سکرپٹ کس کے ذہن کی پیداوار تھی؟ اس سارے منصوبے میں امریکہ، برطانیہ، اسرائیل اور بھارت کا کیا تعلق ہے؟ ● کیا ان دھرنوں کا ملک کی خارجہ پالیسی سے کوئی تعلق ہے؟۔ ● کیا ان دھرنوں کا امریکہ اور NATO کے افغانستان سے 'کامیاب' واپسی سے کوئی تعلق ہے؟۔ ● ان دھرنوں پر میڈیا کے کئی چینلوں نے 72 گھنٹے مسلسل بلاتعطیل کوریج دی کیا وہ اسے کارِ ثواب سمجھ کر کر رہے تھے یا ان کو ادائیگیاں کی گئی تھیں یا ہدایات تھیں؟ ہدایات کس کی تھیں؟۔ ● ان دھرنوں کے شرکاء کے لئے سارے انتظامات کس نے کئے اور میڈیا سمیت سارا خرچ کون کر رہا ہے۔ جو اندازے کے مطابق (مجموعی طور پر) اربوں روپے میں ہے۔ ● اسلام آباد آنے اور ان دھرنوں کے شرکاء کو تحفظ کا آئیڈیا کس کا تھا۔ کس نے شاہراہ دستور تک رسائی کی تجویز دی۔ چند سال پہلے جامعہ حفصہ کی چند سو خواتین اور

مرد حضرات کے لائبریری کی زمین پر قبضے کے نتیجے میں گرفتاریاں، بمباری اور بے تحاشا ہلاکتیں اور اب ہزاروں لوگوں کا پی ٹی وی ،سیکرٹریٹ، پارلیمنٹ ہاؤس اور وزیراعظم ہاؤس پر حملہ اور نشریات کی بندش ـــــ کوئی قانون نافذ کرنے والے ادارے اور جامعہ حفصہ کے وقت کا CDA کہاں تھا اور انتظامیہ کہاں تھی۔ ● ان دھرنوں کے شرکاء کے تأثرات کے مطابق ہمیں تین، چار دن کے لئے لایا گیا تھا اور ادائیگیاں کی گئی تھیں شیرخوار بچوں والی عورتیں بالخصوص لائی گئیں۔ رقص و سرور کی محفلوں کے لئے خصوصی طور پر انتظامات کر کے شرکاء بہم پہنچائے گئے اور فتح کے 'یقینی' ہونے کے زعم میں سارے انتظامات پہلے سے طے کیے گئے۔ یہ کس کے ایماء پر ہوا۔ یہ منصوبہ سازی کس کی تھی۔ ● دھرنے سے پہلے ماڈل ٹاؤن کے واقعہ میں کس کس کا ہاتھ ہے؟۔ ● ان دھرنوں کے دوران جناب جاوید ہاشمی صاحب کو بسہولت اور بخیر و عافیت الگ کر لینا تاکہ بوقت ضرورت کام آئے کس منصوبہ کا حصہ ہے؟ اور آئندہ الیکشن میں کامیابی کے بعد دوبارہ جاوید ہاشمی صاحب سے کیا کام لیا جانے والا ہے۔ کیا دھرنوں کی موجودہ قیادت سے مایوس ہو کر ـــــ آئندہ اقتدار کا 'ہما' اب جاوید ہاشمی کے سر پر بیٹھنے والا ہے؟۔ ● ان دھرنوں کے طویل ہو جانے سے اب انجام کیا ہونے والا ہے کہ 'پردہ گرنے کی منتظر ہے نگاہ' والی کیفیت ہے: (i) کیا قائدین خود ان دھرنوں کو CALL OFF کر دیں گے؟۔ (ii) کیا تشدد کے واقعات میں کچھ خون خرابہ ہو گا؟ (iii) کیا جامعہ حفصہ کی طرح قیادت کو برقع پہنا کر چھپا کر کہیں پہنچا دیا جائے گا؟۔ (vi) کیا قیادت کی بیماری کے بہانے پہلے ہسپتال کے ICU اور بعد ازاں گھر بھجوانے کا اہتمام ہو گا۔ ● ان دھرنوں سے فائدہ کس کو پہنچا۔ کیا سرمایہ کاری کرنے والے اس سارے معاملے سے خوش اور مطمئن ہیں؟ ان دھرنوں کے پیچھے اگر کوئی طاقت تھی اور منصوبہ بندی تھی تو اب صورت حال کدھر لے جائی جانے والی ہے؟

کل کیا ہو گا یہ اللہ جانتا ہے مگر حالات بہت خوفناک ہیں۔

ہمارے ملک میں انصاف، انسانی حقوق، باہمی عزت اور انسانی رشتوں کے احترام کا فقدان ہے۔ 'جس کی لاٹھی اس کی بھینس' یا اس سے بھی بدتر جنگل کا قانون نافذ ہے۔ غریب کی کٹیا میں بنیادی ضروریات ہی پوری نہیں ہو پا رہیں، جبکہ ملک کا اشرافیہ اور حکمران طبقہ

دن بدن امیر سے امیر ہوتا جا رہا ہے۔ لوٹ کھسوٹ کا نظام قائم ہے۔ ایم این اے اور ایم پی حضرات سائیکل/موٹر سائیکل پر ہوتے ہیں، منتخب ہوتے ہیں تو جلد ہی ان کے پاس کروڑ روپے کی گاڑی، گن مین، بے تحاشا دولت اور اثاثہ جات آ جاتے ہیں۔ یہ سب کہاں سے آ جاتے ہیں جبکہ عوام کو دینے کے لیے اس ملک کے حکمرانوں کے پاس کچھ نہیں ہے۔ مزدور کی تنخواہ سات آٹھ ہزار روپے ماہانہ ہے جبکہ گھر کے اخراجات بچوں کی فیسوں، علاج معالجہ اور ناگہانی ضروریات کے ساتھ اوسط اخراجات فی گھر تیس ہزار سے کم نہیں۔ تو یہ فرق ـــــ ہمارے ایم این اے حضرات اور پارلیمنٹ کے معزز ارکان شاید محسوس نہ کریں، عوام کو معلوم ہے اور وہ تو اس تکلیف دہ صورتِ حال سے گزر رہے ہیں۔

شامتِ اعمال

اس تحریر کے شروع میں درج سوالات کا کوئی بھی جواب ہو اور دھرنوں کے کسی بھی متوقع انجام سے قطع نظر ـــــ ہماری اس تحریر کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے ملک کے عوام میں گذشتہ 67 برس کے ظلم اور ناانصافی کے علاوہ لوٹ کھسوٹ، دھونس، دھاندلی سے انگریزوں کے دور سے چلے آنے والے مراعات یافتہ طبقے اور سینکڑوں نو دولتیے ملک پر قابض خاندان نیز اس ملک کے تنخواہ دار مقتدر حضرات کے بے رحمانہ رویے کی وجہ سے اس نظام کے خلاف بغاوت کے آثار ہیں اور اس نظام نے انہیں 67 سال میں کچھ نہیں دیا اور آئندہ STATUS QUO میں ان کے لئے اُمید کی کوئی کرن نہیں۔ لہٰذا ـــ نادیدہ طاقتوں نے اس جذبے کو استعمال (EXPLOIT) کر کے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لئے یہ مہم جوئی کی ہے۔ یہ مہم جوئی کامیاب ہو جاتی تو کیا ہوتا؟ ـــــ مگر اب دھرنوں کی بظاہر 'ناکامی' کے بعد بھی یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ یہ ملک ایک نظریہ اور اسلامی نظام یا شریعت کے نفاذ یا فکر اقبال کے مطابق اسلامی انقلاب کے لئے حاصل کیا گیا تھا جس سے کفالت عامہ کے اسلامی تصورات کے مطابق عوام کو بے پناہ فوائد حاصل ہونے تھے جس کے لئے 1947ء میں قربانیاں دی گئیں تھیں۔ مگر اس ملک پر اشرافیہ نے اپنے خونیں پنجے سختی سے گاڑ رکھے ہیں اور عالمی استعمار ان کی سرپرستی کر رہا ہے۔ اس مایوسی، محرومی اور حکمرانوں کی وعدہ خلافیوں کے ردّعمل کے طور پر عوام گھروں سے نکلے ہیں اور عوام

میں اس شعور کی بیداری کے بعد ظلم و تشدد کر کے ان کو واپس اپنے گھروں میں نہیں بھیجا جا سکے گا۔

ہمارے ملک میں جاگیرداری، سود، کرپشن، بے روزگاری، بے حیائی اور دین سے دوری ہی چند وجوہات ہیں جس سے ملک کے عوام اپنے حکمرانوں سے بیزار ہو کر سڑکوں پر آ گئے ہیں اور سات عشروں کے انتظار کے بعد آئے ہیں تو ان عوام کو ملک بھر میں ٹھنڈا (NORMALISE) کرنے کے لیے بھی ایک عرصہ درکار ہے بلکہ ان کو مطمئن کرنے کے لیے بہت سارے اقدامات کرنا ہوں گے ورنہ ہر آنے والا دن —— بقول شخصے خونیں انقلاب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگر یہ جھجک دور ہو گئی کہ لمبی سے قیمتی گاڑی میں سوار آدمی کو گھیر لو، اس کو باہر نکال کر قتل کر دو اور گاڑی چھین لو، اثاثے چھین لو —— تو ملک کا کوئی کونہ اس چھینا جھپٹی اور عوامی لوٹ کھسوٹ سے خالی نہیں رہے گا گلی گلی میں یہی صورت حال نظر آئے گی۔ دین کو اور نظریہ کو چھوڑ کر حقیقتاً ہم نے پاکستان کو سیکولرازم کا لبادہ اوڑھا دیا ہے اور یوں پاکستان کو دنیا کے دوسرے ممالک کے ساتھ کھڑا کر دیا ہے جہاں عدل و انصاف نام کی چیز نہیں پائی جاتی۔ ایسے ممالک میں بھی بالآخر انقلاب آتے ہیں چاہے فرانس ہو، چاہے روس ہو، چاہے چین ہو —— ایسے حکمران اور اشرافیہ سڑکوں پر لا کر قتل کر دیے جاتے ہیں اور ملک میں افراتفری اور خانہ جنگی کی کیفیت پھیل جاتی ہے۔ پاکستان کے نظریہ اور اسلام کو چھوڑ کر قرآن مجید بھی ہمیں 'خانہ جنگی' کی وعید سنا رہا ہے تاہم اشرافیہ کے کان بالعموم ان آوازوں کو سن نہیں سکتے۔ چاہے یہ نوشتۂ دیوار ہی کیوں نہ ہو۔

آج یہ دھرنے ہماری اسی روش پر سزا کے طور پر سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے کہ ابھی یہ 'پرامن' ہیں اور صرف دھرنے تک محدود ہیں۔ بقول شاعر

ع شامت اعمالِ ما صورت 'دھرنا' گرفت۔

ورنہ آج یہی رُکے ہوئے ہاتھ کل اشرافیہ کے گریبانوں تک پہنچ سکتے ہیں۔

پارلیمنٹ میں سنجیدہ بحث کی ضرورت

ہماری رائے میں یہ سوال بہت اہم ہیں اور اس پر جاری پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں سنجیدہ اور تفصیلی بحث ہونی چاہیے یا حکمت کا تقاضا ہے کہ ان دھرنوں کے ختم ہو جانے کے بعد کسی سیشن میں یہ سنجیدہ بحث کی جائے کہ یہ عوام ان مصائب اور تکلیفوں کو کیوں برداشت کر رہے

ہیں۔آخران کو یہاں تک لانے میں جھوٹے وعدے بھی شامل ہوں گے مگر ہر انسان کی کوئی اپنی دکھتی رگ بھی ہوتی ہے جس کو چھیڑنے سے آدمی عمل پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

آج ضرورت ہے کہ ہم ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ہم ایک صدی قبل کہاں تھے۔ 1947ء میں کہاں اور کیسے تھے اور اب 2014ء میں نام نہاد آزادی کے ساتھ کہاں کھڑے ہیں ہمارا رُخ کدھر کا ہے اور ہمارا مستقبل کیا ہوگا؟۔

آیئے ذرا سنجیدگی سے اس معاملے پر تھوڑی دیر غور کرتے ہیں۔

اسلامی نظریہ___اور ریاستِ پاکستان

1۔ آج کی دنیا میں 200 سے زیادہ ممالک ہیں، جن ممالک میں کوئی منظّم نظم و نسق ہے وہ ’ریاست‘ کہلاتے ہیں۔ ریاست کی نوعیت دو طرح کی ہوتی ہے۔گزشتہ چند صدیوں سے عصر حاضر عملاً ’لادینیت‘ یعنی یونان کے ارسطو کے ملحدانہ اور حیوانی نظریات کا علمبردار ہے اور اکثر ممالک آج لادینیت یعنی سیکولرازم (SECULARISM) کے داعی ہیں۔ دوسری طرف ریاست کی ایک اور صورت یا قسم نظریاتی (IDEALOGICAL) ریاست کی ہے۔

بعض ریاستیں اس لحاظ سے واضح اعلان نہیں کرتیں، تاہم مغرب کی سیکولر تہذیب کی بالادستی اور میڈیا کے ذریعے پھیلاؤ کی وجہ سے عملاً (FOR ALL PRACTICAL PURPOSES) وہ بھی لادین ریاست کی تعریف میں ہی آتی ہیں۔

بعض ریاستیں لادینیت (SECULARISM) کے دعوے کے ساتھ کٹر مذہبی ہیں جیسے بھارت اور بعض ریاستیں عیسائیت کا نام لے کر بھی سیکولر ہیں جیسے اقوامِ یورپ وغیرہ۔

گزشتہ صدی کے عین وسط میں جبکہ مغربی تہذیب ’جوان‘ اور جوبن (BLOOM) پر تھی دنیا میں دو ریاستیں (STATES) ایسی وجود میں آئیں کہ وہ اس وقت سے لے کر آج تک نظریاتی ریاستیں کہلاتی ہیں۔ ہماری مراد 14/اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر اُبھرنے والی ریاست ’ملکِ خداداد‘ پاکستان ہے جس کا آئینی نام ’اسلامی جمہوریہ پاکستان‘ ہے اور دوسری نظریاتی ریاست 9 مئی 1948ء کے دن فلسطین کے علاقے میں علاقے کے عوام کی مرضی کے خلاف بالادست عالمی صیہونی مغربی قوتوں کے دباؤ کی وجہ سے انسانیت پر ٹھونسی جانے والی

ریاست 'اسرائیل' ہے جوایک یہودی ریاست ہے۔

2۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں ایک چیز جو انسان نے صدیوں کے تجربہ کے بعد حاصل کر کے اپنا اثاثہ شمار کیا ہے وہ ریاست اور حکومت کے دو علیحدہ تصورات ہیں۔ آج سے چند صدیاں پہلے تک دنیا میں بادشاہت کا دور تھا ملک اور علاقے فتح ہوتے تھے حکومت بنتی تھی بادشاہت کا نظام تھا بعض اوقات جبر وقہر کے ذریعے یہ نظام صدیوں پر محیط ہو جاتا تھا جیسے یونانی اور رومی ریاستیں۔ وہاں حکومت یا بادشاہ وقت کے خلاف بولنا ـــــ ریاست پر تنقید اور بغاوت شمار ہوتا تھا یعنی حکومت کی مخالفت کرنا 'غداری' شمار ہوتا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ انسان ذہنی اور علمی پختگی کی طرف آیا ہے تو سیاست (POLITICAL SCIENCE) کے شعبہ میں یا جدید سوشل سائنسز کے لحاظ سے آج ریاست اور حکومت کو الگ الگ سمجھا جاتا ہے۔ ریاست ایک (نسبتاً) پائیدار شئے ہے اور حکومت عارضی اور وقتی ہے بادشاہ یا حکمران فوت ہو جاتا ہے کوئی اور 'بادشاہ' یا منتخب حکمران اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ حکومت بدل گئی مگر ریاست، اس کے مقاصد، اہداف اور نظریہ برقرار رہا۔ نئی حکومت کے لیے انہیں باتوں کو تسلسل کے ساتھ آگے بڑھانا اس نئے حکمران کا فرضِ منصبی شمار ہوتا ہے۔ دنیا میں آج سرکاری عہدوں پر بالخصوص صدر یا وزیر اعظم سے حلف لیا جانا اسی ریاستی نظریہ کی حفاظت و نگہبانی کے ساتھ پھیلاؤ و اشاعت یا کم از کم استحکام کی مساعی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔

حکومت کے خلاف جلوس، مظاہرے، دھرنے دیے جاسکتے ہیں۔ حکومت بدلی جاسکتی ہے حکمرانوں پر ان کی کارکردگی کی وجہ سے سچے جھوٹے الزامات لگائے جاسکتے ہیں ان کو بدنام کیا جاسکتا ہے مگر ریاست اور اس کے نظریہ کے خلاف کوئی کام 'بغاوت' شمار ہوتا ہے۔

آج سے چند صدیاں قبل یہ تصور دنیا میں رائج نہیں تھا۔ حکومت کے خلاف اُٹھنا یا حکمرانوں کے خلاف اقدام 'ریاست' کے خلاف اقدام یعنی بغاوت تصور ہوتا تھا۔

3۔ 'ریاست' کے اس جدید تصور کو انسانیت کی مشترکہ قابل قدر متاع سمجھا گیا ہے اور یوں عصر حاضر میں اس ریاست کے استحکام، پائیداری، مضبوطی اور دوام کے ساتھ پھیلاؤ کے پہلو سے بڑا علمی و عملی کام سامنے آیا ہے اور ریاستی امور پر غور و فکر کرنا علم کا پورا ایک شعبہ

(DEPARTMENT) بن گیا ہے۔ اس شعبۂ علم کو STATECRAFT کا نام دیا گیا ہے۔ اس شعبہ میں بہت سا کام ہوا ہے اور ابھی بہت سارا کام باقی ہے۔ آج کی لادین ریاستوں (SECULAR STATES) نے اپنے عوام کو 'آزادی' کا کھوکھلا نعرہ دے کر بہلا رکھا ہے مگر اس نعرہ کے پردے میں بعض غیر مرئی مقتدر قوتیں اپنے مقاصد کے حصول کیلئے سرگرم رہتی ہیں۔

اس ریاستی نظم ونسق اور ریاست کی کامیابی اور پائیداری کے لیے درج ذیل ریاستی اداروں کا ہونا ضروری ہے۔ اہمیت کے اعتبار سے یہ ادارے ریاست کے ستون (PILLARS OF THE STATE) کہلاتے ہیں۔

ریاست کے ستون

(PILLARS OF THE STATE)

فوج	عدلیہ	مقنّنہ	انتظامیہ
(ایک منظّم مسلّح فوج جو عام طور پر برّی، بحری اور فضائیہ فوج پر مشتمل ہوتی ہے)	(عدالتی نظام) ہائی کورٹس سپریم کورٹ	(پارلیمنٹ)	(حکومت)

ایک ریاست کے لیے ان چاروں ستونوں (PILLARS) پر اہل علم عرصے سے متفق ہیں۔ ریاست کے استحکام کے لیے ان ریاستی ستونوں کو ORGANS یا اعضاء بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ اس لیے کہ جیسے انسانی جسم ایک جسد واحد ہے اس سے سر، پاؤں، ہاتھ وغیرہ الگ نہیں کیے جا سکتے اور اگر علیحدہ ہو جائیں تو وہ جسد ایک 'نامکمل جسد' تو کہلا سکتا ہے مکمل جسد انسانی نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح ان اعضاء یا ORGANS کے بغیر کوئی ملک ریاست کہلانے کا مستحق نہیں یا یہ ORGAN موجود تو ہوں مگر ناکارہ (IN-ACTIVE) ہوں جیسے کسی انسان پر فالج کا حملہ ہو جائے اور اس کی ٹانگ یا ہاتھ شَل ہو جائے تو وہ انسان شاید زندہ تو رہ سکے گا مگر مکمل انسان نہیں کہلا سکتا ہے جو اپنے مفادات کا پورا پورا تحفظ کر سکے۔ بعینہٖ اسی طرح ایک ریاست کے یہ اعضاء صحیح سلامت ہوں گے تو ان کی کارکردگی صحیح ہوگی اور صحیح سمت میں ہوگی تو وہ ریاست

زندہ و پائیدار رہے گی بصورت دیگر اگر یہ اعضاء ناکارہ (NON-FUNCTIONAL) ہو جائیں یا اپنے فرائض صحیح ادا نہ کر رہے ہوں یا ان کے فوائد عوام تک نہ پہنچ رہے ہوں تو وہ ریاست ایک کامیاب ریاست یا 'زندہ ریاست' کہلانے کی مستحق نہیں سمجھی جائے گی بلکہ ناکام ریاست (FAILDE STATE) سمجھی جائے گی۔

4۔ اوپر درج ریاست کے ان چار ستونوں پر مستزاد ریاستی علوم (STATE CRAFT) کے ماہرین کا یہ خیال اب پختہ ہو کر اتفاقِ رائے (CONSENSUS) کی حد تک پہنچ گیا ہے کہ ریاست کے ان ستونوں کو صحیح سمت میں چلانے کے لیے ہر ملک میں میڈیا (ذرائع ابلاغ) کا بڑا کردار ہے۔ لہٰذا ہر ریاست میں میڈیا (MEDIA) کا آزاد ہونا ضروری ہے۔

یہاں 'آزادی' کے لفظ کا مطلب و مفہوم سیاسی آزادی نہیں بلکہ مادر پدر آزادی ہے کہ مذہب و دین و معاشرہ و اخلاق و سماج کے ہر بندھن اور قدغن سے آزادی اور آزادروی۔ جو چاہو کھاؤ جو چاہو پیو جو چاہو دیکھو جو چاہو سنو جو چاہو کرو کسی چارہ گر کی نصیحت کو نہ سنو اور کسی مذہبی رہنما و دینی پیشوا کی واعظانہ گفتگو پر کان نہ دھرو جو شیطان دل میں ڈال دے وہی کرو بلکہ نیکی اور اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی پر ڈٹ جاؤ۔ اس آزادروی کے تصور کو سیکولرازم نے عام کیا ہے اور اس کو لبرل ازم (LIBERALISM) کا نام دیا گیا ہے۔ مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ میڈیا اس طرح لبرل ازم کے معنی میں آزاد ہونا ضروری ہے جو ریاستی اداروں پر بے رورعایت تنقید کر سکے۔ سیکولر ریاستوں میں تو یہی ہو رہا ہے یہی ممکن ہے اور یہی ہونا چاہیے۔ یہ صورت حال مغربی تصوّرات کے لحاظ سے انسانیّت کی معراج ہے اور مغربی مفکّرین کے نزدیک END OF HISTORY ہے اس سے آگے انسانی سوچ اور ترقی کا کوئی اور میدان نہیں ہے۔ دنیا بھر میں سیکولر ریاستیں یہی کچھ کر رہی ہیں ہمارا پڑوسی بھارت اس معاملے میں مغرب سے بھی چند قدم آگے ہے۔

پاکستان میں گزشتہ چار عشروں میں مغرب کی سرپرستی اور NGO's کے پھیلائے گئے تصورات کی آڑ میں میڈیا نے آہستہ آہستہ یہی کچھ کرنا شروع کر دیا ہے اور اب سیکولرازم کا پرچارک بن چکا ہے۔

5۔ ایک نظریاتی ریاست میں نظریہ بھی ایک اہم ریاستی ستون ہے نظریہ سے مراد نظریہ کی

بنیاد پر ایک نظریاتی نظامِ تعلیم۔ ایک نظریاتی ریاست میں نظریہ کی کیا اہمیت ہے؟ اس سوال پر بحث سیکولرازم کے علمبرداروں کا مسئلہ نہیں ہے اور نہ یہ سیکولر ریاستوں کا۔ اس لیے کہ مغرب میں کوئی نظریاتی ریاست ہے ہی نہیں۔ اسرائیل ایک نظریاتی ریاست ہے تو وہ مغرب کے لیے ایسا منہ زور گھوڑا ہے کہ تمام یورپی اور امریکی اماماِن سیاست اور تمام مغربی کلیساؤں کے شیوخ سب اسرائیلی اور صہیونی ایجنڈا کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور اسرائیل کے معاملات میں دخل دینے کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں جو شاید ان کے تین میں سے ایک خدا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے سولی چڑھ جانے سے بھی معاف نہیں ہو سکے گا۔ (نعوذ باللہ)

لہٰذا نظریاتی ریاست میں نظریہ کی اہمیت صرف مسلمانوں کا ہی نہیں صرف پاکستان کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ نہ سعودی عرب کا ہے کہ سعودی خاندان کی حکومت ہے نہ مصریوں کا نہ شامیوں نہ عراقیوں اور نہ اردن کے بادشاہ سلامت کا۔ یہ دردِ سر صرف پاکستان کے مسلمانوں کا ہے۔ اس ملک کے بانیان علامہ اقبال اور قائداعظم ہیں۔ اس ملک کا نظریہ فکرِ اقبال یا اسلام جو علامہ اقبال نے سمجھا، کے علاوہ کچھ نہیں اور یہی کچھ عیاں ہے قائداعظم محمد علی جناح کے خطبات وتقاریر سے۔

فکرِ اقبال ـــــ قرآن وحدیث سے ماخوذ اور خودی بمعنی روح انسانی کے اثبات اور پائیداری کی سوچ پر مبنی ہے۔ علامہ اقبال ابن عربی کے قائل ہیں، رومی کی شاگردی پر فخر ہے، غزالی کے مداح ہیں ہاں ـــــ وحدت الوجود کا وہ تصور جس سے فنائیت و کاہلی اور بے عملی پیدا ہو، اس کے منکر ہیں اور زندہ و بیدار خودی اور ہمہ وقت چوکس اور مصروف عمل خودی کے علمبردار ہیں اور برصغیر کے مسلمانوں (جو صوفیائے اسلام کی تبلیغ سے ہی ایمان لائے تھے اور امام غزالیؒ و رومیؒ کے نظریات کے پیروکار رہے جس میں مختلف اکابرین اپنے اپنے حالات میں غیر اسلامی نظریات کے آمیزش کی اصلاح کا بیڑا اُٹھاتے رہے ہیں اور بڑے عظیم کام کیے ہیں) کے اجتماعی ضمیر کی ترجمانی کر کے اپنے کلام کو جاودانی بخشی، خالق کائنات نے انہی کے کلام کے ذریعے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو بیداری بخشی اور سیاسی سوچ دی اور پاکستان جیسا ملک عطا کر دیا اور فکرِ اقبال کو اس ملک پاکستان کا نظریہ بنا دیا۔ یہ 'فکرِ اقبال' پاکستان میں ایک نظریہ اور IDEALOGY کے طور پر اُجاگر ہونا ضروری ہے۔

ایک نظریاتی ریاست میں یہ ذمہ داری ایک نظریاتی نظامِ تعلیم کے ذریعے ادا ہوتی ہے۔نظریاتی نظامِ تعلیم ہی ملک کے عوام وخواص اور ریاستی ستونوں کے کارپردازوں میں نظریاتی تسلسل کی ضرورت کو پورا کرتا ہے اوراس طرح نظریاتی نظامِ تعلیم زندہ اور جاندار ہوتو ملک کی نظریاتی سرحدیں نمایاں اور مستحضر رہتی ہیں۔

اگر ریاست کے سارے ستون اپنی جگہ قائم اور مضبوط ہوں تو......

پاکستان جیسی نظریاتی ریاست جو لااِلٰہ اِلا اللہ کی علمبردار ہے اگر اس کے سارے ریاستی ستون مضبوط ہوں تو فکر اقبال کے مطابق پاکستان میں رہنے والے ہر انسان (مسلم وغیرمسلم) کے لیے

● عدل وانصاف کا ضامن ہوگا۔ ● ظلم، استحصال، لوٹ کھسوٹ، جھوٹ، فراڈ، ہوسِ زر، سود، رشوت، بددیانتی سے پاک ماحول ہوگا۔ ● معاشرتی برائیاں ازقسم ملاوٹ، دھوکہ، جعلی ونقلی (2 نمبر) مال کی فروخت، کم تولنا، ملاوٹ وغیرہ کا خاتمہ ہوجائے گا۔ ● محنت کی قدر اور عزت ہوگی۔ بے کار اور مفت خور لوگوں کو راہِ راست پر لایا جائے گا۔ ● جاگیرداری، غیر حاضر زمینداری اور ماتحتوں (مزارعین و ملازمین و لیبر) کا استحصال بند ہوجائے گا۔ ● ہر (مسلم و غیرمسلم) پاکستانی شہری کے لیے کفالتِ عامّہ کا اہتمام ہوگا یعنی جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہے کمارہا ہے گھر چلا رہا ہے کسی وجہ سے محتاج اور اپاہج ہوجائے (سڑک کا حادثہ، فیکٹری اور کارخانے میں آگ، بجلی اور کسی ناگہانی واقعہ سے حادثہ، جان لیوا بیماری، اپنی کسی غلطی کی وجہ سے ہاتھ کٹ جانا، وغیرہ وغیرہ تو اس کو حکومت کی طرف سے روٹی کپڑا مکان، بچوں کی مفت تعلیم اور مفت علاج معالجہ کی گارنٹی ہوگی۔ اگر کوئی شخص اپنی غلطی سے ایسا جرم کرلے کہ اسے سزائے موت ہوجائے تو بھی اس کے اہل خانہ بھوکے نہیں مریں گے بلکہ کفالتِ عامّہ کے تحت باعزت شہری کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے۔ ● مساواتِ انسانی کے اسلامی اصول کے تحت خواتین اور مردوں کو کام کاج، کھیل کود، بنیادی صحت، بنیادی تعلیم کے برابر مواقع میسر ہوں گے۔ ● شراب، بدکاری، بے حیائی اور بدکاری و بے حیائی کی طرف راغب کرنے والے لوگ، میڈیا، تحریر وتقریر، اشتہارات، ناچ گانا، بے حیائی کے اڈے بند کردیے جائیں گے۔ خلاف ورزی پر سخت سزا ہوگی۔ ● مردوں

اور عورتوں کے لیے الگ الگ میدان کار ہوں گے۔ پردے کا اہتمام ہوگا۔ پرائمری تعلیم قریب ترین جگہ پر صرف خواتین اساتذہ کے سپرد کردی جائے گی۔ فیملی خواتین کے لیے علیحدہ کھیل کود، سیر وتفریح کے مواقع ہوں گے۔ عورت کی عفت وعصمت کی حفاظت کا اہتمام ہوگا۔ ● مردوں کے ہسپتالوں میں خواتین نرسوں کا متعین ہونا ختم کر دیا جائے گا۔ خواتین نرسیں صرف خواتین اور بچوں کے وارڈز میں ہوں گی دوسرے وارڈز میں مرد نرسز (MALE NURSES) کام کریں گے۔
● زکوٰۃ وعشر کا نظام نافذ کیا جائے گا۔ ● غیر مسلم اپنے مذہب کی تعلیم اپنی نئی نسل کو اپنے خصوصی سکولوں میں دے سکیں گے۔ اس کا انتظام ان کے اپنے اہل علم کی سپرد ہوگا۔ اپنی عبادات اور رسومات بھی خاص معین جگہ پر کر سکیں گے۔ مسلمانوں میں ان کے مذہب کی تبلیغ نہیں ہوگی۔
● غرض ـــــ ایک مثالی نظریاتی ریاست میں کوئی بھوکا نہیں سوئے گا۔ شرک نہیں ہوگا۔ عمر رسیدہ افراد کی خبر گیری ہوگی۔ ظلم نہیں ہوگا، بے انصافی نہیں ہوگی۔ ● سیاست چند گھرانوں اور خاندانوں تک محدود نہیں ہوگی۔ مراعات یافتہ طبقات (اشرافیہ) کا خاتمہ ہو جائے گا (یا راہِ راست پر آ جائے گی اور اسلام کے اندر اپنا رول ادا کرے گی)۔

پاکستان اور اس کے ریاستی ستون

آج پاکستان کے ریاستی ستون کمزور، مخدوش اور اپنی جگہ پر قائم نہیں ہیں ایک دوسرے کے دائرۂ اختیار (ZONE OF ACTIVITIES) میں مداخلت کر رہے ہیں۔ لہٰذا ـــــ ہر طرح کی ممکنہ کرپشن، ظلم، زیادتی، ناانصافی، بددیانتی، سود، رشوت، مفت خوری نیچے سے لے کر اوپر تک حکومتی ایوانوں اور آسودہ حال طبقات کا وطیرہ بن چکی ہے غریب غریب سے غریب تر ہو رہا ہے اور امیر امیر سے امیر تر۔ اور اس کے نتیجے میں دست قدرت کے تھپیڑوں (خانہ جنگی) کی آہٹ قریب آتی محسوس ہو رہی ہے مسلم عوام کے ساتھ ساتھ غیر مسلم عوام کے ساتھ بھی ناانصافی ہو رہی ہے۔ کمزور طبقات، مزدور، جوان، عورتیں سب ظلم اور استحصال کا شکار ہیں۔

ان حالات میں یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں ہے کہ پاکستان کے ریاستی ستون کمزور، بے عمل (ناکارہ) اور غیر مؤثر (NON-FUNCTIONAL) ہیں۔

بالعموم حکمران طبقہ عیاش، دین سے دور، میڈیا دین سے بیزار، ہمارے عوام دین سے

غافل، علماء اپنی جنت کی پیشگی بکنگ (ADVANCE BOOKING) پر فرحاں و مطمئن، مذہبی و دینی، مخلص سیاسی و غیر سیاسی زعماء و رجالِ کار تھکے ہوئے، بددل اور مایوس نظر آتے ہیں خواص و عوام کا ایک طبقہ حکمرانوں کو ان کی بداعمالیاں اور ریاست کے دیگر ستونوں کو ان کی نااہلی کا آئینہ دکھانے کے لیے 'دھرنے' کا روپ دھار کر بیٹھا ہے۔ یہ سب کچھ نظریاتی زوال اور اس کے نتیجے میں ریاستی ستونوں کے نظریاتی انحراف اور نظریہ سے عملی بغاوت کا ثمرہ (OUTCOME) ہے جس کی تلخی ملک کا ہر شہری (چاہے ملک کے اندر ہے یا بیرونِ ملک) سب محسوس کر رہے ہیں۔

اس پس منظر میں ہمارے نزدیک ملکی سطح پر غور و فکر کی اشد ضرورت ہے اس عظیم اور اہم کام کیلئے کوئی کمیشن بنایا جائے، پارلیمنٹ میں بحث کی جائے، اخبارات میں کھلی بحث کے ذریعے اس نظریاتی زوال کی وجوہات تلاش کی جائیں طریقہ کوئی ایک یا سب اختیار کر لیے جائیں اس ساری محنت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ پاکستان میں بسنے والے ہر شخص نے نظریۂ پاکستان سے انحراف کیا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت کی ہے اور اس جرم میں عوام سے لیکر خواص تک (ملکی آبادی کی اُفقی تقسیم ــــ HORIZONTAL STRATAS) اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگ (مزدور، کسان، تاجر، کارخانہ دار، علماء، سیاسی جماعتیں، حکمران اور عوام ملکی آبادی کی عمودی تقسیم ــــ VERTICAL POLARIZATION) سب کے سب مجرم ہیں۔

نظریاتی انحراف کیوں ہوا؟

اس نظریاتی انحراف کے پیچھے ــــ اسباب و وجوہات تلاش کرنے کی کوشش کریں تو نظر آئے گا کہ اس انحراف کی کچھ داخلی وجوہات ہیں اور کچھ خارجی اسباب ہیں۔

1 نظریاتی انحراف کی داخلی وجوہات

اجتماعی اور قومی سطح کے جرائم میں کسی ایک فرد کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا، ایسے جرائم میں ہر طبقہ شریک جرم سمجھا جاتا ہے۔ البتہ جرم کے ارتکاب میں عوام اور خواص میں فرق کیا جائے گا عوام کم ذمہ دار اور خواص زیادہ ذمہ دار ہوں گے۔ علما زیادہ ذمہ دار ہوں اور بے علم عوام کالانعام کم ذمہ دار۔ علیٰ ہذا القیاس حکمران طبقہ اور عوام، تعلیم یافتہ، دانشور طبقہ اور بے علم، کارخانہ دار اور مزدور

اور مردوں کے مقابلے میں خواتین اور شہریوں کے مقابلے میں دیہاتی کم ذمہ دار ہوں گے۔

پاکستان بننے کے بعد ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کا شعور بیدار کرنے کا کام نہیں ہوسکا۔ وقتی طور پر یہ کام حکومت، علماء، قائدین، سیاسی جماعتوں، پیروں اور مذہبی ودینی پیشواؤں کا تھا جو بوجوہ پورا نہیں ہوسکا۔

دوسرے درجے میں اس نظریاتی کام کی کمی کو نئی اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے تعلیمی میدان میں فکرِ اقبال پر مبنی ملکی تعلیمی نظام نے پورا کرنا تھا۔ ہمارے مقتدر طبقات کے ذاتی مفادات آڑے آئے اور کڑوا سچ یہی ہے ذمہ دار حضرات نے یہ کام نہیں کیا۔ لہٰذا ہماری نئی نسلیں اس نظریاتی بیداری کی روشنی سے منوّر نہ ہوسکیں اور آئندہ ہر آنے والا دن اور ہر سال نئے کامیاب ہونے والے طبقہ کی کھیپ درجہ بدرجہ نظریاتی اجنبیّت کا شکار ہوتی گئی اور نظریۂ پاکستان یا فکرِ اقبال نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا چلا گیا۔ حیرت ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے اور چند سال بعد تک علامہ اقبال کا کلام ہمارے سکولوں اور تعلیمی نصاب میں رچا بسا ہوا تھا مگر آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ علامہ اقبال کا فکر اور نام تک تعلیمی سلیبس میں سے نکال دیے گئے ہیں۔

لہٰذا اب 60 سال بعد پوری قوم نظریۂ پاکستان کا نام تو کبھی کبھی اخبارات میں پڑھتی ہے مگر اس کی تفصیلات اور حقیقت سے نابلد ہے۔ نظریۂ پاکستان ٹرسٹ بہت دیر سے قائم ہوا مگر اس کا کام تعلیمی نظام سے علیحدہ ہونے کے سبب بے اثر ہے۔

الغرض اس نظریاتی انحراف پر پوری قوم مجرم ہے اور 'ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا' کے مصداق انحراف ہوا ہے تو یقیناً اس کے اسباب بھی ہوں گے۔ اگر ہم اس وقت ایک دوسرے کو مجرم اور ذمہ دار ٹھہراتے رہے تو بہت سارا وقت اور اسی کام میں گزر جائے گا اور مثبت کام میں مزید دیر ہو جائے گی۔ لہٰذا ــــــ عقلمندی کا تقاضا ہے کہ یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ نظریاتی انحراف ہوا ہے باہم مل کر ــــــ اب اس انحراف کے اثرات کو ختم کرنے کے اقدامات پر غور کرنا چاہیے اور اس کے لیے سب کو مل بیٹھ کر کام کرنا چاہیے۔

2 نظریاتی انحراف کے خارجی اسباب

پاکستان جیسی واحد نظریاتی ریاست کے وجود میں آنے کے بعد نظریاتی انحراف کے

اسباب میں داخلی کے ساتھ کچھ خارجی اسباب بھی ہیں:

انحراف کی خارجی وجوہات

● پاکستان کے قیام کے وقت ہی 1940ء تا 1947ء نہ برطانیہ کی حکومت اور عوام یہ چاہتے تھے کہ پاکستان بنے اور نہ ہی کانگریس چاہتی تھی کہ بھارت میں مسلم ریاست کا علیحدہ وجود ہو۔ پھر پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ کی عالمی طاقت کی حیثیت صہیونیت نے 'امریکہ' کو دلا دی، جس کی وجہ سے روزِ اوّل سے امریکہ بھی درحقیقت پاکستان کا دشمن ہے۔ قائداعظم کی حیات تک (ستمبر 1948ء) جنگ کشمیر کی صورت میں یہ دشمنی بھارت اور برطانیہ تک محدود تھی۔ پھر خان لیاقت علی خان کو امریکہ بلوایا گیا۔ وہاں اسرائیل کی ریاست کو تسلیم نہ کرنے کی بات کرنے پر امریکہ نے پاکستان کو دوست بنا کر اور گلے لگا کر ہلاک کرنے کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا اور وہ دن اور آج کا دن (ستمبر 2014ء) ہمارا ملک امریکی دوستی کے زہریلے اثرات کی وجہ سے تڑپ رہا ہے۔ ایوب خان کا مارشل لاء، مشرقی پاکستان کی علیحدگی، یحییٰ خان کا مارشل لاء، جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء اور جنرل پرویز مشرف کا مارشل لاء امریکی قیادت کے آسمانی کی وحی تھی جو روبعمل آئی۔ امریکہ جمہوریت کا علمبردار ہے مگر جمہوریت کے ساتھ ساتھ مارشل لاؤں اور بادشاہتوں کو بھی پالتا ہے اور ان سے بھی کام لیتا ہے اور اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے ان ناجائز ذرائع کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

ان ادوار میں دیگر منحوس پالیسیوں کے ساتھ تعلیمی اصلاحات کے نام سے امداد اور خصوصی فنڈ، وظائف، نمایاں طلبہ کے لیے امریکی دورے یہ سب باتیں صہیونی ILLUMINATE کے زہریلے عالمی منصوبے کے ایک اہم حصے کے طور پر پاکستان میں نصاب تعلیم کی یکسر تبدیلی کا باعث بنیں اور نوبت بایں جا رسید ـــــ کہ اب پاکستان کے سکول کالجز کا نصاب نظریۂ پاکستان کے مخالف مواد سے بھرا ہوا ہے۔

نظریہ پاکستان کے تسلسل کا ذمہ دار ایک نظریاتی نظامِ تعلیم کو بننا تھا اور ــــــ اس ریاستی ستون کا یہ حال ہے تو اس کے اثرات عدلیہ، انتظامیہ، مقننہ اور فوج پر بھی اسی طرح پڑے ہیں جیسے پڑنے چاہئیں تھے۔

مغرب ہمارا دشمن ہے وہ نہیں کہہ سکتا کہ 'نظریہ' بھی ریاست کا ستون ہے اور اہم ستون ہے وہ تو اس کو گرانے کے درپے ہے تاکہ پاکستان بھی ایک عام ریاست بن کر مغرب کی مکمل غلام بن جائے۔

جبکہ ہماری ملکی ضرورت کے تقاضے اور ہیں۔ اگر نظریۂ پاکستان زندہ ہوگا —— تو فکرِ اقبال زندہ ہوگا —— پھر تعلیم نظریاتی ہوگی —— اگر تعلیم نظریاتی ہوگی تو —— ہماری فوج —— ہماری عدلیہ —— ہماری مقنّنہ اور ہماری انتظامیہ میں ہر نیا آنے والا اہلکار اس نظریہ کی اہمیت کو سمجھے گا اور اسی سمت میں چلے گا اور یوں ملک بحیثیت مجموعی اپنے مقصدِ وجود یا نظامِ عدلِ اجتماعی یا اسلام کا اجتماعی نظام یا قرآن مجید کا نظام یا نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتا رہے گا وگرنہ وہ حال ہوگا جواب ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں اعلیٰ سطح پر ہر NEW ENTRY مغربی افکار و نظریات کی طرف لے کر جانے والی ہے؛ اس لیے کہ جو مغرب سے سیکولر تعلیم لے کر آتا ہے اور اس کا پرستار اور پجاری ہوتا ہے وہ آتے ہی اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہو جاتا ہے اور سیکولرازم کو مضبوط کرنے کی پالیسیاں بناتا ہے۔ نام کا چاہے مسلمان ہی ہو۔

نظریاتی تعلیم سے نظریہ قوم کے ہر طبقہ میں سرایت کرتا ہے۔ کسی ملک کے شہریوں اور نظریہ کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے سکول لیول پر ''پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے'' کا سائنسی تجربہ ہے۔ ایک اپریٹس (APPARATUS) ہوتا ہے جس میں کئی قسم کی شیشے کی ٹیوبیں لگی ہوتی ہیں۔ ایک سیدھی ہے، ایک ٹیڑھی ہے، ایک بل کھاتی ہوئی اوپر کی طرف گئی ہے، ایک صراحی دار ہے۔ ان ٹیوبوں کا آپس میں ایک افقی بڑی ٹیوب کے ذریعے تعلق ہوتا ہے۔ اس بڑی ٹیوب میں پانی کا والو کھولیں تو پانی اوپر کو اُٹھنا شروع ہوتا ہے اور حیرانی کی بات ہے کہ موٹی، باریک، ٹیڑھی، سپرنگ کی طرح بل دار، ہر ٹیوب میں پانی چڑھتا ہے اور سب میں پانی کی سطح ایک جیسی ہوتی ہے۔ اس تجربے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانی کو آپس میں ملے ہوئے کسی قسم کے برتنوں میں ڈالو تمام برتنوں میں سطح ایک جیسی ہوگی۔

نظریہ —— ریاست کے ستونوں میں اسی طرح سرایت کرتا ہے اور ریاستی سطح پر تمام ستون بلکہ عوام و خواص اور زندگی کا ہر طبقہ مجموعی طور پر ایک جیسا متأثر ہوتا ہے (افراد کا معاملہ دوسرا

ہے ہر جگہ اچھے/ بُرے لوگ انفرادی سطح پر مل جائیں گے)۔

لہٰذا نظریاتی نظام کے گزشتہ 60 سال سے فقدان کی وجہ سے ہماری انتظامیہ (سرکاری اہل کار وفاقی سطح سے لے کر قاصد اور چوکیدار کی سطح تک، پولیس، محکمہ مال اور دیگر سرکاری ادارے اور کارپوریشن وغیرہ)، ہماری مقنّنہ (پارلیمنٹ لاجز میں بے حیائی و بے ہودگی کا کیس اخبارات کی زینت بنا اور مک مکا کے ذریعے دب گیا)، ہماری عدلیہ (ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا عام آدمی کو معلوم نہیں، مگر ضلعی اور تحصیل سطح کی عدالتوں کا جو حال ہے ہڑتالیں، تاریخیں، خرچے، رشوت اور مرضی کے فیصلے ہر اس شخص کا تجربہ جو عدالت کا رجوع کرتا ہے۔فوجداری یعنی قتل وغیرہ کا کیس ہو تو اللہ ہی حافظ ہے جائیدادیں بک جاتی ہیں مگر فیصلے نہیں ہوتے) اور فوج کا معاملہ بھی اوپر درج مثال کی رو سے زیادہ مختلف نہیں ہوسکتا۔ جنرل پرویز مشرف کا ذاتی کردار اور جنرل یحییٰ خان کا ذاتی کردار اگر سامنے رہے تو یہ اسی دیگ کے چاول ہیں اور اِلا ماشاء اللہ مجموعی حالت وہی ہے جو نظریاتی تعلیم اور نظریاتی تربیت کے فقدان کی وجہ سے ہونی چاہیے۔

آزاد میڈیا ـــــــ کا ریاستی ستون بھی اس وقت مادر پدر آزادی کا قائل ہے اور لبرل ازم اور اباحیت پرستی (ہر شے حلال ہے ہر کام جو دل میں آئے کرو) کا علمبردار ہے۔ ہمارے ٹاک شوز (TACKSHOW) ہمارے ڈرامے، ہمارے میڈیا کے عمومی مزاج میں (جو کچھ چند ماہ پہلے جیو کی نشریات پر مذہبی سطح پر ہوا کہ ’کہے صنم بھی ہری ہری‘) اصول اخلاق، مذہب، اللہ، رسول ﷺ، قرآن مجید، خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اکابرین امت ـــــــ صلحائے اُمت ـــــــ مسلمان بادشاہ پر مخالفانہ اور سیکولرازم کے نقطۂ نظر سے تنقید کے ذریعے سب اصول بالائے رکھ کر صرف RATING بڑھانے اور دوسروں پر فوقیت (URGE TO DOMINATE) حاصل کرنے کا جذبہ کارفرما ہے۔ساتر لباس، پردہ، دوپٹہ، برقع، نمازوں کے اوقات، نماز، اذان یہ سب باتیں ہمارے میڈیا کے لحاظ سے قبل از تاریخ کے رومن اور یونانی دور کے دیو مالائی قصوں سے بھی گئے گذرے تصوّرات بن کر رہ گئے ہیں۔اس لئے کہ رومی و یونانی ـــــــ بت پرستانہ اور گمراہ کن نظریات ذکر کریں گے تو انسان جدید اور ماڈرن لگتا ہے جبکہ خدا اور رسول ﷺ کا ذکر

'کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں'　　ع　　کریں گے تو

والی بات ہوتی ہے جو ہمارے مسلمان میڈیا کارکنان کو بھی بالعموم پسند نہیں ہے۔

اور سب سے آخر میں خود محکمہ تعلیم اور اس کے کارپردازان کے علاوہ ایک عام ٹیچر کا کردار کیا ہے؟۔۔۔۔۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا ایسے اساتذہ کے زیر تربیت بچے بڑے ہو کر جو کچھ بنتے ہیں سرکاری ادارے عدلیہ، فوج، میڈیا کا عمومی مزاج اس کا گواہ ہے۔ ان میں سے پھر بھی جو بچے قدرے مسلمان رہتے ہیں وہ شاید کچھ گھروں کا ماحول اور محلے کی مسجد میں قرآن مجید (ناظرہ) اور نماز کی تربیت کا اثر ہے وگرنہ محکمہ تعلیم میں نصاب سے لے کر امتحانی پرچوں اور نتیجے کے اعلان تک اقرباء پروری اور رشوت کا بازار گرم رہتا ہے۔ انٹری ٹسٹ کے معاملات میں رشوت کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری بنیادی نظریہ کے تحت نظریاتی تعلیم کے شدید فقدان کا نتیجہ ہے۔ اگر تعلیم کے شعبے کا یہ حال ہے تو دیگر ریاستی ادارے تو ماشاءاللہ۔

یہ حال سرکاری سکولوں کا ہے۔۔۔۔۔ پرائیویٹ ادارے اور بالخصوص امراء کے لئے بنائے گئے پرائیویٹ سکول کالجز وغیرہ کا اخلاقی اور نظریاتی گراف کب کا زیرو (ZERO) سے نیچے جا چکا ہے۔ یہی حال ہمارے ہاں تربیتی اداروں اور ٹریننگ اکادمیوں کا ہے وہاں بھی۔۔۔۔۔ اخلاق، کردار اور نظریہ۔۔۔ فکر اقبال۔۔۔ اسلام۔۔۔ قرآن۔۔۔ جہاد، یہ سب چیزیں قصۂ ماضی ہیں۔ ان کا نام شاید ہو۔۔۔۔۔ ایک زندہ کردار کے طور پر یہ چیزیں وہاں ہوتیں تو وہاں سے تربیت یافتہ افراد میں بھی ہوتیں جو کہ نہیں ہے۔ دُھواں نہیں ہے تو یقین ہے کہ آگ کا وجود نہیں ہے۔

ریاست کے ستونوں میں فوج کی اہمیت اور مداخلت

ایک صحت مند ریاست اور نظریاتی لحاظ سے کامیاب ملک کے لیے تو ریاست کے سارے ہی ستون اہم اور ناگزیر ہیں۔ تاہم ان اداروں کے باہمی تقابل میں فوج کو ایک گونہ اضافی اہمیت (WEIGHTAGE) حاصل ہے۔

جیسے تذکرہ ہوا کہ پاکستان کا نظامِ تعلیم ریاستی نظریہ کے مطابق نہیں ہے اور روزِ اوّل سے اس پر توجہ نہیں دی گئی۔ علامہ اقبال کے بعد ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے ذرا کام کیا مگر ملک جیسے تیسے چل رہا ہے۔ ملکی تاریخ میں سیاستدانوں نے ملکی سیاست کے ساتھ کیا کیا۔ گورنر جنرل

غلام محمد، جنرل یحییٰ خان تو عجوبہ ٔروزگار تھے دیگر وزراء اور سیاسی زعماء کا حال بھی واقفانِ حال جانتے ہیں۔ کتاب 'نگار خانے سے پارلیمنٹ تک' کا مطالعہ کافی ہے۔ 'سیاست کے فرعون' نامی کتاب پڑھ لیں تو مقنّنہ و انتظامیہ کے نظریاتی لیول اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا معیار سامنے آ جائے گا۔ ملک پھر بھی چل رہا ہے۔

عدلیہ کا معاملہ تحصیل لیول سے لے کر سپریم کورٹ تک ملکی تاریخ کے بعض ادوار میں بڑا ناگفتہ بہ رہا ہے گزشتہ چند سالوں سے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا مجھے معلوم نہیں تحصیل اور ضلع کی سطح کی عدالتوں کا حال بہت پتلا ہے۔ ملک پھر بھی چل رہا ہے۔

ملک بھر میں میڈیا نے جو نظریاتی سطح پر نظریۂ پاکستان کے خلاف مواد (گند پھیلانے) عام کرنے میں کردار ادا کیا ہے وہ کسی طرح بھی اصحابِ عقل و دانش سے پوشیدہ نہیں۔ ملک کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں ملک پھر بھی چل رہا ہے۔

ریاست کا ستون 'فوج' ایسا ستون ہے کہ دوسرے ستون کمزور ہو بھی جائیں تو یہ 'فوج' کا ستون اضافی بوجھ لے کر ایک حد تک ریاستی ڈھانچہ اور ملک کی سرحدوں کو محفوظ (INTACT) رکھنے کی ذمہ داری ادا کرتا ہے اور ملک کے عوام 'فوج' کے ادارہ سے اس کی توقع بھی رکھتے ہیں۔ اسی لیے فوج کو انتظامیہ اور مقنّنہ کے علاوہ عدلیہ کے معاملات، غیر ملکی رابطے اور دشمن ملکوں سے تعلقات پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے اور جب معاملہ 'ملکی بقا' یا 'استحکام' کا ہو تو مداخلت بھی کرنا پڑتی ہے۔ یہی ہمارے ملک کی تاریخ ہے۔ یہ دوسرے اداروں کی نااہلی ہی شمار ہوتی ہے۔ تاہم اس ضمن میں 'فوج' پر نگاہ رکھنا اور اس کے ان تمام فیصلوں اور مداخلت کے 'جواز' کو ثابت کرنے کے لیے سوائے ایک نظریہ یا نظریاتی نظامِ تعلیم کوئی قدغن (INSTRUMENT) 'علم کی دنیا' میں موجود نہیں ہے اور صاف ظاہر ہے فوج کے افراد بھی انسان ہیں اور نظریاتی افلاس ان پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے فوج کی اہمیت کہ وہ نظریاتی ہو ـــــ باقی تمام اداروں سے مقابلتاً زیادہ ضروری ہے۔ اگرچہ یہ ادارہ صدر یا وزیراعظم مقنّنہ کے ماتحت ہوتا ہے مگر اکثر اوقات ان 'ستونوں' میں ٹکراؤ کی کیفیت اور عدمِ اعتماد کا ماحول رہتا ہے۔ اس کیفیت کو ملک کے حالات میں عام آدمی بھی کبھی کبھی محسوس کرنے لگتا ہے۔

لہٰذا ریاست کے معاملات کو صحیح رُخ یعنی اسلام کے اُصولوں اور فکرِ اقبال کے مطابق چلانے کے لیے فوج کے نظریاتی ہونے پر دوسرے اداروں سے مقابلتاً زیادہ توجہ دینا ضروری ہے۔

نظریاتی انحراف کا نتیجہ

اس نظریاتی انحراف کے جہاں ملک میں اندرونی اور بیرونی طور پر عوام پر 'خوفناک' نتائج نکلے ہیں وہیں خالق کائنات جس نے ہمیں یہ ملک عطا کیا تھا، بھی ہم سے ناراض بلکہ بیزار ہے اور سُود جیسی اقتصادی لعنت کو گلے لگانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے جس کے نتیجے میں ناگہانی آفات، خانہ جنگی، بے سکونی اور باہمی عدمِ اعتماد کی کیفیت ہم پر مسلط ہیں۔

1947ء اور اس کے کچھ عرصہ بعد کم از کم اس ملک کے دانشور حضرات اور مخلص مسلمان زُعماء کو یاد تھا کہ یہ ملک کیوں بنا تھا اور اس کے بانیان علامہ اقبال اور محمد علی جناح (اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے) کے بیان کردہ مقاصد کیوں حاصل نہ کیے جا سکے۔ اب یہ سبق کسی کو بھی مستحضر نہیں۔ اس اجتماعی اور قومی جرم میں کئی پردہ نشینوں کے نام آتے ہیں مگر اس بحث کا حاصل باہمی بداعتمادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ لہٰذا ــــ اب آگے کی فکر کی ضرورت ہے۔

اصلاحِ احوال کے لیے...... کرنے کا کام؟

ملک خداداد پاکستان کو واقعتاً ایک نظریاتی ریاست بنانے کے لئے ایک عزمِ نو کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے ریاست کے تمام ستونوں کی ذمہ داری یکساں ہے کہ اس میں اپنے اپنے حصہ کا کام کریں اور اس سلسلے میں سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ ہمارے اندر ایک عزم پیدا ہو اور اپنے نظریہ ــــ دو قومی نظریہ ــــ نظریۂ پاکستان ــــ فکرِ اقبال یعنی اسلامی انقلابی فکر اور ISLAMIC THOUGHT کو اپنانے کا جذبہ بیدار ہو۔

ہم سب کے لئے کرنے کا مشترک کام یہ ہے کہ ہم ذاتی سطح پر، خاندان کی سطح پر، برادری، محلے، صوبے، ملک اور ہر ریاستی ادارے کی سطح پر اپنا قبلہ درست کر لیں اور اپنی نگاہیں ــــ عالمی طاقتوں، صہیونیت، امریکہ اور UNO وغیرہ سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے نمائندے حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید کے ساتھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

ساتھ علماء، فقہاء وصلحائے اُمت کی طرف TURN کر لینے کا اٹل فیصلہ کرلیں۔

اس فیصلے کے بعد ضرورت پیدا ہوگی کہ اب کیا کیا جائے؟ جس کے لئے کرنے کے بہت سے شعبے اور درجے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ یہاں یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ ہمیں کیا کیا کرنا ہوگا حقیقتاً 'جہاں چاہ وہاں راہ' WHERE THERE IS A WILL, THERE IS AWAY. کا معاملہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ خود راہیں دکھا تا چلا جائے گا اور آسانیاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔

اس کام میں ہمیں فکرِ اقبال کے انقلابی پہلو کو سامنے رکھنا ہوگا اور سماجی، اقتصادی اور سیاسی سطح پر وہ تمام تبدیلیاں لانی ہوں گی جو اسلام کا تقاضا ہے جو علامہ اقبال نے اپنے کلام اور ابلیس کی مجلس شوریٰ نامی نظم میں ابلیس کی زبانی نشاندہی کی ہے۔ غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ، ہر سطح پر ہر طرح کے سودی لین دین کا قلع قمع اور ملک کے تمام قوانین کو جلد از جلد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق ڈھالنے کا کام کرنا ہوگا۔ نیز نظامِ تعلیم کو اسلام کے تصورات کے مطابق بنانا ہوگا (CO-EDUCATION کا خاتمہ، پردہ، نظامِ عفت وعصمت کی اہمیت وغیرہ)۔ مغرب کے گمراہ کن نظریات از قسم ڈارون کا فلسفہ فرائڈ کا فلسفہ ارسطو کے ابلیسی خیالات اور کارل مارکس کے نظریات سے نظامِ تعلیم کو پاک کر کے پاکستان کے ہر شہری کو حقیقی انسان اور سچا مسلمان بنانا ہوگا۔ اگر ہم ایسا کر سکے تو پاکستان حقیقی معنوں میں ایک اسلامی ریاست کا روپ دھارلے گا اور ایسا ہوگا تو یہ نظریۂ ریاست EXPORT بھی ہوگا اور پھیلتے پھیلتے ساری دنیا پر پھیل جائے گا ـــــ یہی فکرِ اقبال بھی ہے اور قرآن وسنت کا منشا اور پیش گوئی بھی۔

اس سطح پر طویل المیعاد منصوبہ بندی (LONG-TERM PLANNING) اور مختصر المیعاد منصوبہ بندی (SHORT-TERM PLANNING) کی اشد ضرورت ہوگی۔ مختصر المیعاد منصوبہ بندی کے کچھ نتائج فوراً نکلنے سے قوم میں مجموعی طور پر حوصلہ پیدا ہوگا، ہمت بڑھے گی اور جذبۂ عمل پروان چڑھے گا کہ ہم صحیح سمت میں جارہے ہیں۔

ہنگامی طور پر کرنے کے کام

مریض کے مرض کی شدت کے پیشِ نظر اسے پہلے ہنگامی یا ایمرجنسی امداد فراہم کی جاتی

ہے تا کہ مریض کو فوری قدرے آرام ملے۔ اسی طرح ہمارے ملک کے مجموعی حالات میں جو بے چینی، عدم اعتماد، بے انصافی، ظلم، عدم برداشت، دھونس، دھاندلی، لوٹ کھسوٹ، افلاس، علاج معالجہ کی سہولتوں کا عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہونا، بنیادی ضرورتوں کی عدم دستیابی جیسے معاملات کو فوراً ریلیف نہ ملا تو حالات ایسے ہیں کہ عوام مزید کسی وعدۂ فردا اور لمبے طویل المیعاد منصوبے کا انتظار نہیں کر سکتے اور صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ ہنگامی اور نظریاتی اقدامات نہ کئے گئے تو ملک میں شدید خانہ جنگی کا خطرہ ہے۔

ہنگامی اقدامات

ہماری ناقص رائے میں ملکی سطح پر انتظامیہ، عدلیہ، فوج اور مقنّنہ بھی اپنے داخلی معاملات اور اپنی خارجی تصویر (PUBLIC IMAGE) کو صحیح اور نظریاتی بنانے کے لیے SELF ASSESSMENT کریں اور ایک شعر کے مطابق 'ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی' سے پہلے 'آپ ہی طرزِ تغافل پر ذرا غور کریں' والا معاملہ ہونا چاہیے۔ جناب وزیراعظم صاحب بھی جلاوطنی کے دور میں حرمین شریفین میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدوں کو یاد فرمائیں اور ان پر خلوصِ دل سے عمل کریں۔

حکومت کی سطح پر کرنے کے کام یہ ہیں کہ حکومت چند نظریاتی یعنی اسلامی اصلاحات کو اسمبلی میں پاس کرا کے فوراً اعلان کرے یعنی

● شراب پر ہر طرح کی پابندی لگا دی جائے۔ ملک کے اندر شراب کی اجازت ختم اور فیکٹریاں بھی بند کر دی جائیں۔ ● تعزیراتِ پاکستان کو منسوخ کر کے پاکستان کے عوام کی دو تہائی اکثریت کے فقہی حنفی مسلک کی بنیاد پر (ایران کی طرح) فقہ حنفی کو ملکی قانون قرار دیا جائے۔ ● جوئے اور جوئے کے اڈوں اور کلبوں پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔ ● سود کے مکمل خاتمے کے لئے 1973ء کے آئین کی روح کے مطابق 15 سال میں جو تمام قوانین اسلامائز کرنے تھے اس کی روشنی میں UBL کے ذریعے مشرف دور میں جو درخواست دے کر سود کے مکمل خاتمے کو مکمل لٹکا دیا تھا، وہ درخواست واپس لے کر نیک نیتی سے سود کا مکمل خاتمہ کرنے کے اقدامات کیے جائیں۔ ● سرکاری میڈیا اور نجی میڈیا چینلز سب پر اذان، دوپٹہ (خواتین کے لیے چہرے کے علاوہ ساتر لباس)، نمازوں اور

جمعہ کے اوقات کے اعلانات کے ساتھ وقفے کئے جائیں اور ان وقفوں میں اشتہارات نہ چلائے جائیں۔ ● میڈیا پر اشتہارات کے لئے سخت ضابطہ اخلاق پر عمل درآمد کرایا جائے۔ دینی احکام کی خلاف ورزی پر اُکسانے والے تمام اشتہارات، تصویریں، ڈرامے بلا خوف بند کرائے جائیں۔

● نیز انفرادی زندگی میں بھی ہر سطح پر دستور کی دفعہ 62۔63 کے تقاضے پورے کرائے جائیں۔

عدلیہ: عدلیہ کے تمام جج، عملہ اور قاصد کی سطح تک 62۔63 کے تقاضے پورے کیے جائیں اور آئندہ تمام ملازمتیں اس شرط کے ساتھ مشروط کی جائیں۔

فوج: فوج میں آئندہ تمام بھرتی (ENTRY) پر اپنی روح کے ساتھ 62۔63 کی پابندی لگائی جائے اور موجودہ (حاضر سروس) سٹاف اور جوانوں پر بھی سرکلرز، DIRECTIVES اور INCENTIVES کے ذریعے یہ تقاضے پورے کرائے جائیں۔

سرکاری ملازمتیں: ● طے کر دیا جائے کہ آئندہ تمام سرکاری ملازمتیں چاہے (PUBLIC SERVICE COMMITIOM) کے ذریعے سے ہوں یا کسی اور ذریعے سے 62۔63 کے بنیادی تقاضے پورے کرنے پر ہی دی جائیں گی۔

● تمام سرکاری کارپوریشنز کی ملازمتوں پر بھی چیئرمین، ڈائریکٹر سے لے کر قاصد اور سیکورٹی گارڈ تک ان دفعات کے تقاضے پورے کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

محکمہ تعلیم ___ اساتذہ نظریہ یعنی نظریاتی تعلیم چونکہ بہت اہم ریاستی ستون ہے۔ لہٰذا، محکمہ تعلیم میں (سرکاری وغیر سرکاری سکولوں) ٹیچرز کے لئے 62۔63 میں قدرے اضافہ کے سخت CODE OF CONDUCT لاگو کیا جائے اور جن سکولوں کی انتظامیہ میں غیر مسلم ہوں یا مشنری عیسائی ادارے ہوں ان میں مسلمان بچوں کے داخلے پر مکمل پابندی لگادی جائے اور آئندہ سرکاری ملازمتوں میں ایسے اداروں کے فارغ التحصیل طلبہ کو DISCOURAGE کیا جائے۔

مقنّنہ: ● آئندہ الیکشن تک (جو تین سال بعد ہوں) مقنّنہ کے متوقع امیدواروں کے لئے سرکاری سطح پر صوبائی دارالحکومتوں اور اسلام آباد میں نظریاتی تربیتی کورسز کروائے جائیں 62۔63 کی شرائط کے علاوہ ہر قومی اور صوبائی اور ضلعی ناظم کی سطح کے امیدواروں کے تعلیمی شرائط کے علاوہ ایک 15 روزہ نظریاتی تربیتی ورکشاپ میں شرکت لازمی قرار دی جائے

(کونسلر اور ناظم یونین کے لیے یہ کورسز ایک ہفتہ دورانیہ کے ہوسکتے ہیں)۔ اس تربیتی ورکشاپ کا نصاب نظریۂ پاکستان ٹرسٹ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے مشورے سے دوقومی نظریہ، نظریۂ پاکستان، فکرِ اقبال یعنی علامہ اقبال کے انقلابی تصور اور افکار کے مطابق ترتیب دیا جائے۔ تاکہ آئندہ آنے والی ہماری قومی اور صوبائی اسمبلیاں صحیح نظریاتی لوگوں پر مبنی ہوں جو اپنے دورِ اقتدار میں اس نظریہ کی مزید خدمت کرسکیں۔

- انتخابی اصلاحات کی جائیں اور طریق کار کی غلطیوں کو دور کر دیا جائے، ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی پر سخت سزائیں دی جائیں۔

حاصل کلام

نظریۂ پاکستان کیا تھا فکرِ اقبال کیا ہے اور پاکستان کے نظریاتی ریاست بننے کے تقاضے کیا تھے اور ہم اس وقت کہاں کھڑے ہیں؟۔آئندہ فوری و ہنگامی طور پر کرنے کے کام کے ساتھ ساتھ طویل اور مختصر المیعاد منصوبہ بندی کے تحت اقدامات کا آغاز ضروری ہے۔اس تحریر میں ہنگامی نوعیت کی ناگزیر باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔تاکہ ملک کے سنجیدہ اور مخلص حضرات اس ضمن میں آگے بڑھ کر اپنی ذمہ داریوں کا احساس فرمائیں اور ملک وقوم کی ڈگمگاتی کشتی سازشوں کے سیلاب بلاخیز سے نکال کر فکر اقبال کے مطابق 'خلافت کی بنا' ڈالنے کی سعی فرمائیں۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

ع 'دیر آید درست آید' کے مصداق مشیت ایزدی کے تحت حالیہ ہولناک سیلاب اور 'دھرنوں' کے تھپیڑوں سے ہی سنبھل کر ہم پاکستان کو اپنے نظریاتی تشخص کے مطابق ڈھال کر نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا گہوارہ اور عالمی خلافت کا نقطۂ آغاز بناسکیں تو ہماری خوش بختی وخوش قسمتی کے کیا کہنے! بقولِ شاعر

ے چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے چمن سے روٹھی بہار اب بھی

یہ قربانی کیا ہے؟

حافظ عطاء الرَّحمٰن

ذی الحجہ کے مبارک مہینے کے چند متعین دنوں میں ارکانِ اسلام میں سے 'حج بیت اللہ' مکہ مکرمہ اور اس کے قریب کے علاقہ میں ادا کیا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے اس مہینہ کی دسویں تاریخ کو ساری دنیا کے مسلمان عید الاضحیٰ مناتے ہیں۔ اس عید کی امتیازی شان 'قربانی' کی عبادت ہے، جو دنیا بھر کے مسلمان بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ قربانی کی ظاہری صورت تو سب پر واضح ہے کہ جس جانور میں قربانی کی شرائط پائی جائیں اسے نمازِ عید کے بعد ذِبح کیا جاتا ہے۔ لیکن قربانی کی حقیقت اور مقصد کیا ہے؟ یہ عام طور پر ذہنوں میں نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ محض ایک رسم یا تہوار کے طور پر قربانی کرتے ہیں۔ قربانی کی روح اکثریت کے دل ودماغ میں نہیں ہوتی اور جو صورتِ حال ہے اس پر علامہ اقبال کا یہ قول صادق آتا ہے:

ع
رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

ذیل کی سطور میں قربانی کی حقیقت اور مقصد کے بیان میں چند باتیں لکھی جارہی ہیں۔

1۔ قربانی _ سنت ابراہیمی کی یادگار ہے

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی کی حقیقت دریافت کی کہ مَاھٰذِہِ الْاَضَاحِیُّ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ ۔ یعنی اے اللہ کے رسول! آپ کے حکم پر ہم جو عیدالاضحیٰ

کے موقع پر جانور قربان کرتے ہیں، ہمیں یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

سُنَّةُ اَبِيكُمُ اِبرَاهِيمَ ''یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے''

گویا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عظیم الشان واقعہ کی یادگار ہے جس میں انھوں نے اللہ کا حکم پورا کرنے کی خاطر، اپنے نوعمر بیٹے کو قربان کرنے کے لیے اِن کے گلے پر چھری رکھ دی تھی۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں من جانب اللہ بہت سے امتحان آئے وہ ان تمام امتحانوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق پورے اُترے۔ انہوں نے اللہ کے دین 'اسلام' کو دنیا میں پھیلانے کے لیے اپنی جان و مال، اپنی قوم وطن، اپنے والد اور رشتہ دار، اپنے جذبات اور اپنا سب قربان کردیا۔ جب آپ پر بڑھاپا طاری ہوگیا اور آپ کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی تو آپ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ میرے بعد میرے مشن کو کون سنبھالے گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (اے میرے ربّ! مجھے صالح بیٹا عطا فرما)، اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمادیا، جس کا نام ماں باپ نے اسماعیل رکھا۔ اِدھر یہ بوڑھا باپ اپنے بیٹے کو جوان ہوتے ہوئے دیکھ کر فطری طور پر اس سے اُمیدیں وابستہ کر رہا تھا اُدھر قدرت کی طرف سے ایک آخری امتحان، اُمیدوں، جذبوں اور تمناؤں کا امتحان، ابھی باقی تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ کا حکم مقدم ہے یا اپنا بیٹا؟۔ چنانچہ جب بیٹا گھر کے کام کاج کرنے کی عمر کو پہنچا تو خواب میں حکم ہوا کہ اس بیٹے کو قربان کردو!۔ یہ بہت بڑا امتحان تھا کہ شاید زمین وآسمان پر سکتہ طاری ہوگیا ہو، لیکن بوڑھے باپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش آئی نہ ہی بیٹے کے صبر وتحمل میں کوئی کمی ہوئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ (37:103-107)

''جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے

ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی اس کا فدیہ دے دیا‘‘

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ اتنا عظیم ہے کہ اس کی کوئی نظیر کہیں بھی نہیں پیش کی جاسکتی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس بہت بڑے صبر آزما حکم کے سامنے بھی سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف مینڈھا بھجوادیا کہ یہ جانور حضرت اسماعیل کے فدیے میں قربان ہو جائے۔ قربانی کی یہ سنت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جاری کردہ ہے اور ہمیں ان کے اِتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لیے مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کی یاد کو تازہ کرتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں یہ جذبہ تازہ ہو کر برقرار رہتا ہے کہ ’بندۂ مسلم‘ کو ہر وقت اپنی محبوب ترین چیز اپنے ربّ کی رضا کی خاطر قربان کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

2۔ قربانی_ نعمتِ الٰہی پر شکر گزاری کا ذریعہ

قرآن مجید میں قربانی کا ایک مقصد یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اُمت کے لیے قربانی کا ایک طریقۂ عبادت مقرر فرمایا ہے تا کہ اس کے بندے اس کے بخشے ہوئے چوپایوں کو اس کے حضور نذرانہ کے طور پر پیش کر کے اس کا شکر ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ...... (34:22)

’’اور ہم نے ہر ایک اُمت کے لیے قربانی کا طریق مقرر کر دیا ہے تا کہ جو مویشی چوپائے ان کو اس نے دیے ہیں (ان کے ذبح کرنے کے وقت) ان پر اللہ کا نام لیں‘‘۔

اور ارشاد فرمایا:

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (36:22)

’’تم ان (قربانی کے جانوروں کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت سے بیٹھنے والے اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ۔ اس طرح ہم نے ان (مویشی) کو تمہارے زیرِ فرمان کر دیا ہے تا کہ تم شکر کرو‘‘

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے انسانوں سے کئی گنا طاقتور اور عظیم جثہ والے جانوروں (گائے، بیل اور اونٹ) کو انسانوں کے ایسے تابع فرمان کر دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں؛ ان سے سواری کا کام لیتے ہیں، مال برداری کے کام لیتے ہیں، ان کے دودھ، گوشت، کھال، بال اور اُون ہر چیز سے بیش از بیش فائدے اٹھاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو بڑے جانور تو دور کی بات ہے کسی چھوٹے سے چھوٹے جانور کو بھی انسان اپنے تابع فرمان نہیں بنا سکتے تھے۔ قربانی کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مویشی جانوروں کو ہمارے لیے مسخر کر کے جو ہم پر عظیم احسان کیا ہے اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔

پھر اس شکر ادا کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ اوّلاً قربانی کے وقت دل میں جذبہ کیا ہونا چاہیے۔ فرمایا:

لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنۡ یَّنَالُہُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ

’’اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون، بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔‘‘

یعنی اگر تم شکرِ نعمت کے جذبے کی بنا پر اور خالص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے قربانی کرو گے تو اس جذبہ اور خلوصِ نیت پر اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو گا اور تمہاری قربانی قبول فرمالے گا۔ ورنہ یہ خون اور گوشت تو یہیں دھرا رہ جاتا ہے۔۔ دوسرا یہ کہ ظاہراً زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کرتے ہوئے ان جانوروں کو قربان کیا جائے۔

کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمۡ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمۡ ...... (37:22)

’’اس طرح اس نے ان (مویشی) کو تمہارے لیے کام میں لگا دیا ہے تاکہ اس بات کے بدلے کہ اس نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرو‘‘۔

یعنی اللہ کی بارگاہ میں ان جانوروں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے صرف اللہ ہی کی عظمت اور کبریائی کا اعتراف کرو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں ان جانوروں کو قبلہ رو کر کے ان پر یہ تکبیر پڑھی جاتی ہے بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکۡبَر۔ مزید براں آیت کے اس حصہ میں اس شکر کے اصل محرک کا بھی ذکر آ گیا ہے کہ یہ شکر اس بات کا بھی ہے کہ اللہ نے تمہیں ’اسلام‘ کی ہدایت بخشی ہے اور اسلام (یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا) ہی وہ حقیقت ہے جس کا اظہار حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پیارے بیٹے کی قربانی کر کے کیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جاری کردہ قربانی کی یہ سنت اب صرف مسلمانوں کے ہاں رہ گئی ہے۔

3۔ قربانی۔ رضائے الٰہی اور ثوابِ آخرت کا حصول

قربانی میں سنت ابراہیمی کے احیاء اور شکر ادا کرنے سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَا تِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

(اے نبی) آپ کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔

نیز قربانی آخرت میں حصولِ اجر وثواب کے جذبے سے کرنی چاہیے۔ قربانی کا عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا بہت بڑا اجر وثواب دیں گے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ یَوْمَ النَّحْرِ عَمَلاً أَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ، مِنْ ھِرَاقَۃِ دَمٍ، وَاِنَّہُ لَیَأْتِی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، بِقُرُونِھَا، وَأَظْلَافِھَا، وَأَشْعَارِھَا، وَاِنَّ الدَّمَ، لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ، بِمَکَانٍ قَبْلَ أَنْ یَقَعَ عَلَی الْأَرْضِ، فَطِیبُوا بِھَا نَفْسًا (ابن ماجہ)

’’قربانی کے دن، ابن آدم کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اللہ کو جانور ذبح کرنے سے زیادہ پسند ہو۔ اور قیامت کے دن یہ (قربان کیا ہوا جانور) اپنے سینگوں، اپنے کُھروں اور اپنے بالوں کو لے کر آئے گا (یعنی انسان کے اعمال کے ترازو میں ان چیزوں کو بھی رکھا جائے گا) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا تم کھلے دل سے قربانی کرو۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ:

فَمَا لَنَا فِیھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟

’’اے اللہ کے رسول! اس قربانی میں ہمارے لیے کیا ہے؟

قَالَ: بِكُلِّ شَعرَةٍ، حَسَنَةٌ، قَالُوا: فَالصُّوفُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: بِكُلِّ شَعرَةٍ مِنَ الصُّوفِ، حَسَنَةٌ (ابن ماجہ،عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جانور کے) ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی (کا ثواب)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! پھر اُون (کا کیا حساب ہے)؟ آپ نے فرمایا: اُون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے لیے ان جانوروں کا گوشت پوست ہے تم اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گوشت مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد آخرت میں حصولِ اجروثواب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قربانی اللہ تعالیٰ کا قرب اور رضا حاصل کرنے،سنت ابراہیمی کا احیاء، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر اور آخرت میں حصولِ اجروثواب کے لیے کرنی چاہیے اور جب قربانی ہو جائے تو اس کا گوشت خود بھی کھانا اور گھر والوں، پڑوسیوں، رشتہ داروں، دوستوں اور غریبوں کو بھی کھلانا چاہیے۔قربانی کرتے ہوئے دکھلاوے،سوسائٹی میں چرچے اور شہرت یا رسوائی سے بچنے یا محض گوشت کھانے کی نیت نہ کی جائے کیونکہ اس سے آخرت کا اجروثواب ختم ہوسکتا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔نیز فرمایا:

اِنَّ اللّٰـهَ لَا یَنظُرُ اِلٰی صُوَرِکُم وَ اَموَالِکُم، وَلٰکِن یَنظُرُ اِلٰی قُلُوبِکُم وَ أَعمَالِکُم (مسلم)

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، البتہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قربانی کی حقیقت سے آشنا کردے۔آمین

اَللّٰهُ اَکبَر، اَللّٰهُ اَکبَر، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَ اللّٰهُ اَکبَر، اَللّٰهُ اَکبَر وَ لِلّٰهِ الحَمدُ

حیا--اسلامی معاشرے کا شعار

افشاں نوید

(بشکریہ، ہفت روزہ ایشیالاہور۔28اگست تا3 ستمبر 2014ء)

یہ سوا گز کا کپڑا تو اسامہ بن لادن کی طرح وحشت اور خوف بن کر سوار ہو گیا ہے، مغرب کے ذہن پر......!! بار بار بحثیں، نئی نئی پابندیاں۔ وہ اس کو ظلم سمجھتے ہیں، جبر سمجھتے ہیں عورت کو قید میں سمجھتے ہیں اور اس کمزور وجود کے حق میں 'توانا' آوازیں اٹھتی رہتی ہیں۔ جبکہ یہ نہ مسلمان عورت کا مسئلہ رہا ہے نہ مسلم معاشروں کا ...... یہ مسئلہ ہے ان لوگوں کا جو الہامی تعلیمات پر یقین ہی نہیں رکھتے۔

اگر سوال محض اتنا ہو کہ اسلام میں عورت کی آزادی کی حدود کیا ہیں؟ اور اگر وہ حدود عورت کے حق میں ظلم ہیں (معاذ اللہ) تو خود مسلمان عورت احتجاج کرے؟ ایسا تاریخ میں آج تک نہیں ہوا اور جزوی طور پر ایسا ردّعمل ہوتا بھی ہے، چاہے وہ حدود وقوانین ہوں، آدھی شہادت کا معاملہ ہو، چار شادیوں کی بحث ہو......تو یہ مسائل ہمیشہ سیکولر دانش وروں کی طرف سے اٹھتے ہیں۔

اگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عورت چہرہ کھولے یا نہ کھولے؟ تو یہ فقہا کی تعبیرات کی روشنی میں کوئی اختلافی مسئلہ ہی نہیں، کیونکہ اس حوالے سے دونوں طرح کی آرا پائی جاتی ہیں اور پردہ کرنا یا نہ کرنا، چہرہ کھولنا یا ڈھانپنا، یہ تو مسلمان عورت کا ذاتی معاملہ ہے، لیکن مسئلہ اتنا سادہ بھی نہیں اور معاملہ چہرہ کھولنے اور سر ڈھانپنے سے بہت آگے ہے۔ یورپ کو تو نہ صرف 'پردہ' بلکہ ہمارا 'خاندانی نظام'، 'حدود وقوانین'، 'تصور حیا' سب کچھ ہی برا لگتا ہے۔ ان کے دانش ور تو مسلمانوں کے

ان شعار کو اسلام کے ''عیوب'' ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں......!!

حقیقت تو یہ ہے کہ بظاہر 'آزادی' حاصل کرنے کے بعد ذہنی غلامی کی خو تو ہم میں بھی اب تک باقی ہے۔ ہم میں سے ایک گروہ اب بھی یہی سمجھتا ہے کہ مغرب کی خواتین کی طرح آرائش و زیبائش اور لباس اختیار کر کے ہم بھی ترقی کی دوڑ میں ان کے شانہ بشانہ چل سکتے ہیں۔ ''آزادیٔ نسواں'' اور ''مساواتِ مرد و زَن'' کے نعرے ہمارے روشن خیالوں کو بھی بھلے لگتے ہیں۔

عورتوں کی آزادی کی حدود کیا ہیں؟ وہ گھر سے باہر نکلیں یا نہ نکلیں؟ یہ اسلامی سوسائٹی کے متنازع امور ہیں ہی نہیں۔ کیونکہ احکامات بہت واضح ہیں۔ عورتیں ضرورت کے لئے گھر سے باہر جا سکتی ہیں۔ ملازمت کر سکتی ہیں۔ مخلوط سوسائٹی سے بچتے ہوئے اپنی صلاحیتوں سے سماج کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ ہم اگر مخلوط سوسائٹی سے بچنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے پھر خواتین کے ادارے خواتین ہی چلائیں گی۔ پھر اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ، تربیت یافتہ استاد، ماہرین طب، ادارتی صلاحیتوں کی حامل خواتین پیدا کرنا ہوں گی، اسلامی سوسائٹی کو۔ اگر سماج میں عورتوں پر تعلیم کے دروازے بند کر دیے جائیں اور ہم چاہیں کہ امراض نسواں کے لئے خواتین ڈاکٹر ہوں، تعلیمی اداروں میں بہترین خواتین اساتذہ ہوں تو ظاہر ہے عورت کے گھر میں بیٹھنے سے تو اسلامی معاشرے کے خدوخال نامکمل رہیں گے۔

عورتیں اعلیٰ تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت حاصل کر کے ہی ادارے سنبھالنے کی اہل ہوں گی اور صلاحیتوں کے حساب سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی ''صنفی تخصیص'' نہیں رکھی ہے۔ طب، تعلیم، تجارت کسی بھی شعبے میں اسلام نے خواتین کے عمل دخل کو ناپسند نہیں کیا ہے، بلکہ بعض اصحاب رسول ﷺ کی یہ خواہش کہ عورتیں گھروں سے نہ نکلیں، مسجدوں میں نہ آئیں۔ اس خواہش پر ضرب لگائی گئی اور اللہ کے رسول ﷺ نے واضح طور پر فرمایا کہ ''اللہ کی باندیوں کو اللہ کے گھروں میں آنے سے نہ روکو۔'' خود ازواج مطہرات نے جنگی خدمات انجام دیں اور علم سیکھا اور سکھایا۔

اب اس آزادی کو بنیاد بنا کر اگر ہم یہ دعویٰ کر دیں کہ اسلام میں عورت پوری طرح آزاد ہے۔ اسلام تو کوئی پابندی ہی نہیں لگاتا عورت کی سرگرمیوں پر......اور ایک مسلمان عورت اپنے نظام معاشرت میں گویا ان طریقوں کی پوری پیروی کر سکتی ہے جو مغربی تہذیب میں رائج

ہیں؟ کیونکہ مغربی تہذیب مادی ترقی کے پردے میں عورت پر ذمہ داریوں کے دوہرے بوجھ ڈال رہی ہے اور مخلوط سوسائٹی ایک جذباتی ہیجان بپا کیے رکھتی ہے اور عورتوں کو گھر کی قید سے آزادی دلا کر اور مردوں کے لیے لطف ولذت کا جو سامان پیدا کیا جاتا ہے اس کی انتہا پر معاشرے میں بن باپ کے بچوں کی نرسریاں قائم کرنا پڑتی ہیں جن کی سرپرستی حکومت اور ریاست کرتی ہے۔

اسلام کسی مادّی ترقی کا مخالف نہیں البتہ وہ کسی ترقی کی آڑ میں پاکیزہ اور صالح تمدن کے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کرسکتا۔ اسی لیے اسلام اور مغربی تہذیب کے تمدنی اصولوں اور نظام معاشرت میں اصولی اختلافات ہیں۔ اسلامی سوسائٹی میں عورت سماج کی ترقی میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق حصہ ضرور لے گی مگر 'صنفی کمالات' سے معاشرے میں ہیجان برپا نہیں کرسکتی۔

اسلام عورتوں کی آزادی کے معاملے میں جہاں پہنچ کر رُک جاتا ہے وہاں سے ہمارے روشن خیال دانشور اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں اور وہ اسی مخلوط تمدن کے متمنی ہیں جو یورپ کا خاصہ ہے کیونکہ ان کا گمان ہے کہ شرم اور حیا کا تعلق دل سے ہے۔ گویا یہ دلوں کے معاملے ہیں جس کی کوئی جھلک ہمارے کردار میں نظر نہ بھی آئے، پھر بھی ہم معتبر ہی ٹھہریں گے۔

کون نہیں جانتا کہ انسانی تہذیب کا تو آغاز ہی شرم و حیا کے ساتھ ہوا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام خود کو درختوں کے پتوں سے ڈھانپنے لگے کہ یہی 'معراجِ آدمیّت' ہے اور یہی 'شرفِ انسانیت'۔

دنیا بھر کے کروڑوں انسان جن کا نصف شریف اور پاک دامن عورتیں ہیں، وہ مغرب کی حیا باختہ تہذیب کو دنیا پر مسلط کرنے کی کوششوں پر خاموش نہیں بیٹھ سکتیں۔ وہ تہذیب جہاں خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ نشہ آور ادویات کا رسیا معاشرہ جہاں خودکشی اور جرائم کا تناسب دنیا میں سب سے زیادہ ہے ''گلوبل ورلڈ'' اسی تہذیب کے غلبے کا خواب ہے۔

ہم خواتین کو کیونکر پراڈکٹ بننے دیں، جن سے جی این پی میں اضافہ کا ریٹ ناپا جائے۔ ہمارے پاس حیا، حجاب، ستر کی حدود، غضِّ بصر کے عظیم احکامات ہیں جو نہ صرف سماج کو فکری پاکیزگی عطا کرتے ہیں بلکہ ہر فرد کو جواب دہ بناتے ہیں۔ اس لیے ریاست امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ دار ہے اور اس کی اساس یہی بنیادی اقدار و

روایات ہیں، حیا اسلامی معاشرے کی صرف پاکیزہ صفت ہی نہیں بلکہ اس کا ''شعار'' ہے اور احکامات ستر وحجاب نہ صرف نسوانیت بلکہ انسانیت کی شرف وعزت کے ضامن ہیں۔

حیا اور حجاب کا کلچر ہی مسلمان عورت کا اصل تحفظ ہے اور اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو حقیقی معنوں میں عالمگیر کلچر تخلیق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مغربی کلچر کے بہت نقصانات انسانیت نے بھگت لیے۔ اس لیے اکیسویں صدی ان شاء اللہ حیا اور حجاب کی صدی ہے۔

وحی آسمانی سے انکار اور سیکولر اندازِ فکر کے ساتھ

تجدیدِ علوم کے بعد پروان چڑھنے والے مغربی افکار کے زیر اثر

اقوامِ مغرب کا ''مثالی معاشرہ''

سیرت و کردار کے خدوخال

انجینئر مختار فاروقی

بیسویں صدی کے تیسرے عشرے کے اختتام تک سارے مغربی افکار سامنے آ چکے تھے اور مغربی معاشرہ ان افکار میں ڈوب کر ان کا رنگ اختیار کر چکا تھا ـــــ یا بالفاظ دیگر یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ خدا بیزاری اور خدا ناشناسی کے اصول، آسمانی ہدایت کے بندھنوں سے آزادی اور اخلاقی ضوابط کی حد درجہ تخفیف کے باعث اباحیت پرستی کی بے نور مشعلوں کے زیر اثر جو ''مثالی معاشرہ'' بانیانِ فکر مغرب نے انسانیت کو تحفہ میں دیا اس کے خدوخال پر تو علامہ اقبال نے 80 سال قبل یہ تبصرہ کیا ہے۔

بے کاریٔ و عریانیٔ و مے خواریٔ و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

تاہم ـــــ بیسویں صدی میں درجہ بدرجہ یہ مغربی معاشرہ جن مراحل سے گزرا ہے وہ مختصراً ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔

مغرب کا اخلاقی زوال ـــــ قدم بہ قدم

آپ دیکھیں گے کہ جدید دور کی چکا چوند اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والی چمک دمک کے باوجود انسان اخلاقی طور پر ہندوستان اور یونان کے دور کے ''حیوانی معاشرہ'' کی سطح پر سے بھی کہیں نیچے گر گیا ہے، سو یا پچاس سال پہلے مغرب میں جسم کے ساتھ روح کے ماننے والے یا

اخلاق وکردار کے علمبردار یا آسمانی وحی کا اثبات کرنے والے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا پرچار کرنے والے آپ کو مل جائیں گے مگر اب وہاں شاذ ونادر ہی ایسا کوئی ذی روح مل سکتا ہے۔ اخلاقی لحاظ سے مغرب کی یہ گراوٹ اور زوال کیسے ممکن ہوا؟ آئیے بیسویں صدی کے چند چیدہ چیدہ اہم واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں جس سے آپ پر بھی آج کے مغرب کے انسان کی 'باطنی کیفیت' روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجائے گی۔

1۔ کیمرہ اور اس کی تصاویر انیسویں صدی کے وسط تک مغرب میں عام ہو چکے تھے تاہم تصاویر کو واقعات کی شکل دینا (متحرک تصاویر یا فلم) شدید انسانی خواہش تھی جس کے لئے مسلسل محنت اور تجربات کے بعد تصویروں کو حرکت دے کر تیزی سے چلانے کا تجربہ کامیاب رہا اس سے انسانی آنکھ پر حقیقی انسانی زندگی کا تصور ابھرتا تھا۔

2۔ 1892ء میں اس کی عملی شکل یہ سامنے آئی کہ سینما ایجاد ہوا۔ سینما سکرین، فلمیں، سینما گھر، سٹوڈیوز، فلم ایکٹرز (اور ایکٹریسز) اور اس سے متعلق سارے لوازمات تیزی سے پھیلتے چلے گئے اگلے دس سالوں میں سینما امریکہ اور یورپ سے نکل کر ہندوستان تک پہنچ گیا۔

3۔ شروع میں یہ فلمیں گونگی (SILENT) ہوتی تھیں ساتھ تحریر لکھی جاتی تھی جس سے مفہوم تک رسائی ہوتی تھی۔

4۔ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں آواز کے ساتھ فلمیں آنا شروع ہوگئیں گویا فلمی دنیا اور سینما میں جان پیدا ہوگئی اور اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوگیا۔ اس سے گانا بجانا، فن موسیقی وغیرہ نے عروج پکڑا اور ایک عالمی تہذیب وثقافت کا آغاز ہوگیا اہل فکر ونظر نے اندازہ لگایا کہ ایک صدی میں یہ لازماً اس سائنسی ترقی کے ذریعے ساری دنیا پر اپنی پسند کی ایک تہذیب وثقافت کی بالادستی قائم کی جاسکتی ہے۔

5۔ اسی دوران میں ریڈیو ایجاد ہوگیا گویا روزمرہ حالات کی خبریں مشرق ومغرب میں پھیلنا شروع ہوگئیں اور یوں زمینی فاصلے کم ہوتے محسوس ہونے لگے۔

6۔ 1933ء میں ٹیلی وژن کی ایجاد نے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا اور آواز کے ساتھ تصویر کی نمائش کی انسانی خواہش نے عملی جامہ پہنا اور ٹی وی نشریات کا آغاز ہوگیا۔

7۔ سفر کے میدان میں 1904ء میں پہلی کامیاب پرواز کے بعد امریکہ میں 1925-1930ء کے قریب کمرشل پروازوں کا آغاز ہوگیا جس سے زمین سکڑتی ہوئی محسوس ہوئی اور عالمی تہذیب کے علمبرداروں کے مقاصد کی کامیابی نگاہوں کے سامنے آگئی۔

8۔ ایک مخصوص عالمی گروہ نے ان سب ایجادات کو کچھ خاص مقاصد کے لئے استعمال کرنے اور عام انسان کو صرف پیٹ اور جنس کی تسکین تک محدود کرنے کی تگ و دو میں تیزی سے کامیابیاں حاصل کیں۔ان ایجادات سے ملٹی نیشنلز کمپنیوں کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئیں۔

9۔ مغرب میں اخلاقی زوال کی بنیادیں تو بہت پرانی ہیں اور یونانی فلسفہ کی ترویج سے اس کے ڈانڈے ملتے ہیں یورپ یقیناً ساتویں صدی عیسوی میں ہی اس دور جاہلیت (DARK AGES) سے نکل آتا مگر قیصر روم کے 628ء میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پہچاننے کے باوجود قبول نہ کرنے کے فیصلہ نے پورے یورپ (اور امریکہ) کو اگلے ہزار سال کے لئے قعر مذلت میں دھکیل دیا تا آنکہ سقوط غرناطہ کے بعد یورپ میں علم و ہنر کی روشنی مسلمانوں کے ذریعے پہنچی، اس علمی محرومی اور اخلاقی تہی دامانی کی وجہ سے عیسائی مغرب میں اخلاق کے معیارات کا ریکارڈ کوئی قابل فخر بات نہیں ہے۔

(I) اس پر مستزاد یہ کہ انیسویں صدی میں انسان کے بارے میں ڈارون کے فلسفہ ارتقا کا نظریہ بڑی منصوبہ بندی سے عام کیا گیا کہ انسان بس ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔اس فلسفہ کے ذہن میں اتر جانے سے اخلاقی زوال کے اگلے مراحل یکسر آسان ہوگئے اور حق کے مقابلہ میں باطل کی راہ دلفریب تو تھی ہی آسان بھی ہوگئی۔

(II) بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں میں سگمنڈ فرائڈ کے نظریات جب سامنے آئے تو بس جیسے پٹرول کو دیا سلائی دکھائی جائے تو آن واحد میں آگ لگ جاتی ہے اسی طرح ڈارون تھیوری سے متاثر مغرب کے لئے فرائڈ کے نظریات نے دیا سلائی کا کام کیا اور امریکہ (بشمول مغرب) عملاً حیوان بن گیا۔

رہی سہی کسر منصوبہ بندی سے کام کر کے اس کو عام کرنے اور کمرشلزم (ہر کام میں انسانوں کا استحصال مالی فوائد حاصل کرنا) نے پوری کر دی سینما ہو یا ٹی وی ریڈیو ہو یا

اخبار کتاب ہو یا رسالہ ہر چیز میں یہی نظریہ عام کرنے کی دوڑ لگ گئی اور انسان اس کا شکار ہو کر رہ گیا۔

10۔ بیسوی صدی کی چوتھی دہائی میں امریکہ میں رنگین ٹی وی آ چکا تھا جس سے گھر بیٹھے حقیقی مناظر کا لطف اٹھایا جاسکتا تھا۔ ایک امریکی جریدہ (LIFE) نے اسی دوران ایک اشاعت میں گھریلو زندگی کی عریاں تصاویر کو فروغ دیا اور اپنے رسالے میں مفت چھاپنے کا بندوبست کر دیا۔

11۔ مغرب کی سردی اور دھوپ کی کمی سے وہاں ایک خاص مزاج ہے کہ گرمیوں میں ساحل سمندر پر بے لباسی کی حالت میں دھوپ تاپنا ایک ضرورت تھی اس کا (TOURISM) کی شکل دے کر خوب فروغ دیا گیا۔

12۔ ساحل سمندر پر نہانے کا لباس سال کے دوران ایک مختصر مدت میں استعمال ہوتا تھا اس کو SWIMMING POOLS اور LUXURY HOTELS کے کلچر کے ذریعے عام کر دیا گیا اور بے لباسی، عریانی کو مغرب کا شعار بنا دیا گیا۔

13۔ معاشرت اور فن تعمیرات میں ملحقہ غسل خانہ (ATTACHED BATHROOM) کے تصور اور ایئر کنڈیشنر کی ایجاد سے بے لباسی کو فروغ ملا (یاد رہے کہ امریکہ میں AC اور فریج 1920ء کے لگ بھگ ترقی پذیر تھا) اس پر مغربی معاشرت کے مفکروں نے DOUBLE BED کا تصور دیا جس سے بچپن سے ہی معصوم ذہنوں میں حیوانی جذبات کے فروغ اور انگیخت کو شہ ملی اور قریبی رشتوں کے تقدیس کو پامال کر دیا گیا۔

14۔ فرائڈ کے نظریات کے عام ہونے سے کمرشلزم کو ایک نیا فیلڈ مل گیا۔ 1930ء کی دہائی میں امریکہ (اور غالباً یورپ میں بھی) گھر گھر سروے کرایا گیا، جس سے بے حیائی اور عریانیت کو فروغ دینا تھا۔ اس سے ہر گھر میں مردوں کے کام پر چلے جانے کے بعد خواتین سے بے حیائی کو فروغ دینے کے لیے سوال پوچھے جاتے تھے اور 'رازداری' کا وعدہ کر کے غیر شعوری طور پر بے حیائی پر اکسایا جاتا تھا (ایک سوال مثلاً یہ تھا کہ تم نے کبھی پڑوسی مرد سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی؟ جواب ہاں میں ہو یا ناں میں، آئندہ کی منصوبہ بندی کے لیے ایک بے حیائی کا راستہ کھل گیا) یاد رہے کہ ایک جاننے والے نے بتایا کہ اسی طرح کا سروے پاکستان کے بھی

کچھ مخصوص علاقوں میں گزشتہ چند سالوں سے جاری ہے۔

15۔ عریانیت کے میدان میں تیراکی کے لباس کی مقبولیت، عریاں تصویریں، مقابلے، ماڈلنگ کا آغاز، نائٹ کلب اور کلرٹی وی نے بنیادی کردار ادا کیا۔اگلے اقدام کے طور پر انسانی پوشیدہ اعضاء سے متعلق اعداد و شمار (STATISTICS) جمع کرنے کا آغاز ہوا۔جس کی پہلی رپورٹ (KINSEY REPORT) پانچویں دہائی میں عام ہوئی جس سے ضبط تولید اور اس کے متعلق سامان کی تیاری میں رکاوٹیں صاف ہوگئیں۔

16۔ فرائڈ کے انہی نظریات کے عام ہونے اور اکنامکس کے فروغ آبادی کے اصولوں کو ملا کر تجارت کے لئے BIRTH CONTROL سے متعلق سامان کی تیاری کا دروازہ کھول دیا گیا۔ چنانچہ 1950ء کے عشرے کے آغاز تک امریکہ میں خاندانی منصوبہ بندی کے تمام طریقے عام ہو چکے تھے پاکستان میں یہ امریکی عنایات دور ایوبی میں ساٹھ کے عشرے میں وارد ہوئیں۔

17۔ فلم انڈسٹری کے فروغ کلر سینما سکوپ کلر ٹی وی میوزک پاپ کلچر، فلم انڈسٹری، تجارت میں اشتہارات کا فن اور اس میں ماڈل مردوں اور عورتوں کو استعمال کرنے کے ماہرین نے مغرب میں بے حیائی کا طوفان برپا کر دیا۔(جیسے آج کل ہمارے ہاں ہے)اس ساری منصوبہ بندی کا اثر یہ ہوا کہ ہر معاشرہ میں جہاں پہلے اساتذہ، پروفیسرز اور اہل علم حضرات کے ساتھ مذہبی پیشوؤں کی قدر ہوتی تھی اور ان کی تقلید کا جذبہ تھا وہ کمزور ہونا شروع ہو گیا پہلے گویوں، بینڈ باجے والوں اور آلات موسیقی بنانے والے حضرات کو عام طور پر کوئی اعلیٰ مقام نہیں ملتا تھا جبکہ مغرب میں چھوٹی سکرین اور بڑی سکرین کی بے پناہ مقبولیت کے باعث یہ لوگ اب فنکار اور معاشرے کے سب سے معزز اور VIP'S شمار ہونے لگے ان کا شمار مشہور زمانہ لوگوں (CELEBERITIES) میں ہونے لگا اور ان میں ایک طبقہ مالی اعتبار سے بھی بہت سے تاجروں سے بھی زیادہ خوشحال ہو گیا اس طرح کھیلوں کے میدان میں کھیلاڑیوں کے سکرین پر ہر وقت EXPOSURE کی وجہ سے ان کی عوامی سطح پر مقبولیت کا گراف بہت اونچا چلا گیا اب عوام میں فلمی ہیروز، فلم سٹارز اور کرکٹ کے کھلاڑیوں کی نقل میں ان کا سا لباس، رہن سہن، انداز گفتگو اور LIFESTYLE (بالوں کا انداز، ہیر کلر، میک اپ کا سامان، ٹی شرٹ، جین وغیرہ کا استعمال سمیت ہر ادا) کی نقل عام ہوگئی

جس سے عوام میں مذہبی راہنماؤں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے نمونہ ہدایت کے ستارے ہونے کا رجحان کم ہوگیا ہے اور اس کی جگہ TV STARS, FILMSTARS اور CRICKET STARS نے لے لی ہے چنانچہ اس طبقہ کی عمومی بے راہ روی اور آزاد خیالی اور مذہب بیزاری کے ذریعے عوام میں ان نظریات کا سیلاب آ گیا ہے۔

18۔ ساٹھ کا عشرہ ختم ہونے پر مغربی منصوبہ ساز ذہن یہ باور کر چکا تھا کہ اب موقع ہے کہ معاشرے کو مذہب، خدا اور آخرت کے تصورات سے پاک کر دیا جائے اس کے لئے ضمیر اور اخلاق کی کسک TO BE GUILTY CONSCIENCE CONSCIENCE رکاوٹ تھی چنانچہ تعلیمی میدان میں وہ اصلاحات ہوئیں (جو آج کل ہمارے ہاں امریکی خرچ پر مفت کتابیں دے کر کی جا رہی ہیں)۔ جس کی رو سے نئی نسل میں اخلاق کی بنیادیں ختم کر دی جائیں اور انسان کو حیوان کامل بنا دیا جائے ہر طرح سے مذہب بیزار بنا دیا جائے چنانچہ MORALLESS اور VALUELESS سوسائٹی کے قیام کا منصوبہ بنا اور اسی کے ماتحت تعلیمی نصاب تشکیل دے کر تعلیمی اداروں میں نافذ کر دیا گیا۔ اس سے خالص سیکولر تعلیم کا آغاز ہوا جس کا منشاء یہ کہ انسان کے اندر سے مذہب کی گرفت کو ختم کر دیا جائے اور اباحیت کا نظریہ (ہر چیز جائز ہے مذہبی اصطلاحات جائز/ناجائز حلال حرام بے معنی ہیں) عام کر دیا جائے۔

19۔ ٹیپ ریکارڈر، ویڈیو ریکارڈر نے بھی مہمیز کا کام دیا ڈش انٹینا اور چھوٹے ریڈیو نے میوزک کلچر کو گلی گلی پہنچا دیا بعد ازاں کمپیوٹر انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی کو فروغ حاصل ہوا اور سب سے آخر میں CABLE NETWORK کے ذریعے انتہائی سستے داموں گھر گھر عریانی، فحاشی، ناچ، میوزک اور لا اُبالی پن کے متحرک تصویری مناظر کی نمائش کے جال پھیلا دیے گئے۔

آج کا مغرب ماضی کی تہذیبوں کے مقابلے میں اخلاقی اعتبار سے کہیں زیادہ گراوٹ کا شکار ہے اور کتابوں میں نصف صدی پہلے جو نظریات درج ہیں ان کو نظر انداز کر کے عملاً ان کی تہذیب و ثقافت جو نقشہ پیش کر رہی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج مغرب کا انسان بس ایک 'حیوان' ہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بڑی عمر کے لوگ (پچاس سال کے لگ بھگ) جانتے ہیں کہ پہلے سکولوں، کالجوں کی کتابوں اور کاپیوں کا انداز (GET UP) بڑا معقول، شریفانہ اور

اخلاقی تعلیمات سے مزین ہوتا تھا۔اعلیٰ معیار کی کاپیوں(NOTE BOOKS) پر بھی عام طور پر اعلیٰ علمی مقولے(CAPTIONS) یا رباعیات(STANZAS) درج ہوتے تھے۔اس کے برعکس آج کی کاپیاں بالعموم اس قسم کی کسی اخلاقی تعلیمات سے تہی دامن ہیں بلکہ منفی اثرات کی حامل عبارت کی تشہیر کا ذریعہ ہیں بچوں کے عام استعمال کی چیزیں اور کھانے کی چیزوں کی پیکنگ تک میں فلمی ستاروں اور کرکٹ کے کھلاڑیوں کے لچر انداز والی تصویریں اور عریانیت کی حامل عبارات درج ہوتی ہیں۔اس سے اندازہ کرلیں اگر ہمارے ہاں یہ حال ہے تو مغرب جو ہم سے بہت آگے ہے وہ کہاں کھڑا ہوگا۔

گویا آج کی مغربی تہذیب وثقافت بھی ایک خوفناک موڑ (TURN) پر ہے جہاں سے تباہی کے ایک گہرے غار یا گمنامی کے ایک BLACKHOLE کی طرف بڑھ رہی ہے جہاں سب کچھ تباہ ہوجائے گا——رہے نام اللہ کا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

آج کے مغربی معاشرے کے دو رُخ یا پہلو ہیں ایک اس کا نگاہوں کو خیرہ کرنے والا ظاہر ہے جسے علامہ اقبال نے DAZZLING EXTERIOR کہا تھا اور ایک اس کا باطن اور INTERIOR ہے یہ باطن سائنسی طرز فکر اور ٹھوس تجرباتی علوم ہیں۔مغربی افکار کی بنیاد میں یہ پہلو خالص اسلامی اور قرآنی(QURANIC) ہے۔

آج کی دنیا میں ''علم'' کے نام سے منظر عام پر جو مواد موجود ہے اور جس سے ترقی پذیر اقوام مرعوب ہیں اس کی مثال معلومات کے ایک بہت بڑے ڈھیر HEAP OF INFORMATION کی سی ہے جس میں ہر طرح کی معلومات شامل ہیں خیر بھی ہے شر بھی ہے، نیکی بھی ہے بدی بھی ہے، کارآمد معلومات بھی ہیں اور 'شرما' دینے والی حیا سوز معلومات بھی 'غرض ہر طرح کا رطب ویابس موجود ہے۔لیکن اس میں سے کام کی معلومات نکالنا بہت مشکل ہے اس لیے کہ جدید دور میں کمپیوٹر کی ایجاد سے علم ہر انسان کی دسترس میں آچکا ہے اور اپنے مطالعہ کی میز پر بیٹھے بیٹھے دنیا بھر کی معلومات اور دنیا بھر کے انسائیکلوپیڈیاز سے استفادہ کرسکتا ہے ،دنیا بھر کی لائبریریوں میں جاسکتا ہے دنیا بھر کی یونیورسٹیوں کے بارے میں ہر طرح کی معلومات حاصل کرسکتا ہے۔

لیکن ـــــ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ ایک مافیا اور MASTER MIND درپردہ اس سب کے پیچھے ہے جو انسان کو اپنی مرضی کی راہ پر لے جانا چاہتا ہے اور اسی طرح بے راہ روی کی طرف لے کر جانا چاہتا ہے۔

لہٰذا آپ کمپیوٹر پر کوئی انفارمیشن لینا چاہیں تو عریانی، فحاشی، بے حیائی کے مناظر از خود پہلے ہی انسان کا دامن پکڑ لیتے ہیں اور انسان اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے تو اپنے مطلوب و مقصود کے حصول کی بجائے انسان دوسری قسم کی معلومات میں سرگرداں ہو جاتا ہے اور بہت دیر بعد ہوش آتی ہے کہ میں کہاں چلا تھا اور کہاں پہنچ گیا۔

نتیجہ کے طور پر ـــــ یہ ساری علم کی فراوانی ـــــ علم کی خدمت کم اور مغربی اقوام کے پس پردہ عوامل کی خواہشات کی تکمیل زیادہ ہے اور کمپیوٹر پر بیٹھنے والا انسان فائدہ کم حاصل کرتا ہے اور اپنا اور اپنی سوچ کا نقصان زیادہ کر لیتا ہے۔

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی تازہ اشاعت

تعمیر سیرت و کردار

پر اہل علم حضرات کے تأثرات

1 حافظ مختار احمد گوندل

زیرِ تبصرہ کتاب قرآن اکیڈمی کے جھنگ کے سلسلہ مطبوعات کی دسویں خصوصی اشاعت ہے۔ برادرِ محترم انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کے یہ خطبات و مقالات قرآن اکیڈمی جھنگ کے ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' میں مختلف اوقات میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ان کی مقبولیت اور افادیت کے پیش نظر انہیں کتابی صورت میں نہایت احسن ترتیب و تزئین کے ساتھ قارئین کے لیے طبع کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ مقالات ماہنامہ حکمت بالغہ کے مستقل قارئین کے لیے تو قندِ مقرر کی حیثیت رکھتے ہیں تاہم ان قارئین کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں، جنہوں نے ان کا پہلے سے مطالعہ نہیں کیا۔ تعمیر سیرت کے حوالے سے حیاتِ انسانی کے چند ایسے مخفی گوشوں کی نشان دہی کی گئی ہے جن سے عام مسلمان عمومی طور پر تغافل برتتے ہیں۔ ہر انسان اپنی شخصیت، انحرافیت اور ذہنی ساخت کے حوالے سے اپنا ایک مخصوص زاویۂ نگاہ رکھتا ہے اور اس میں ہی اس عالم رنگ و بو کی زیبائی اور رعنائی کا راز بھی مضمر ہے اور ہر فرد کی تعمیر سیرت کے حوالے سے اپنا اپنا ایک طرزِ عمل ہوا کرتا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب کے فاضل مصنف قرآنی حلقوں میں اپنی فکر و دانش کے حوالے سے بھی معروف شخصیت ہیں جنہوں نے انسان کے باطنی سیرت و کردار کی مضبوط اور ٹھوس فکری بنیادیں اپنی اس تصنیف میں فراہم کردی ہیں۔ جیسا کہ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

خشت اوّل چوں نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

یعنی اگر کسی کی بنیاد ہی کج روی کا شکار ہو جائے تو پھر تمام زندگی گمراہی میں گزر جاتی ہے۔ اسی فلسفہ

کے پیش نظر کتاب ہذا کے پندرہ مقالات تعمیر سیرت پر ان کی تقاریر و خطبات اُمت مسلمہ کے لیے وقیع علمی اثاثہ ہیں۔ انحطاط پذیر عصر حاضر کے مسلمانوں کی سیرت پر فاضل مصنف کی دل گرفتگی ان کی تحریرات سے عیاں ہے۔ وہ قومِ مسلم کے کردار کی ایسی تعمیر کے خواہاں ہیں جو مکارمِ اخلاق کے آئینہ دار ہو یعنی جنھیں قرآن مجید میں 'عباد الرحمٰن' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا اسلوبِ تحریر امید افزا اور روشن مستقبل کی نوید ہے۔ یاس و نا امیدی کی دلدل سے نکال کر اُمت مسلمہ کو باوقار مقام پر فائز دیکھنے کے آرزو مند ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے پہلے مقالہ کا عنوان "هُوَ اجْتَبٰكُمْ" (اس نے تمھیں چن لیا ہے) ہے۔ آل ابراہیم علیہ السلام میں بنی اسرائیل کو عروج نصیب ہوا اور سلطنت عظیم انہیں عطا ہوئی یہ سب ان کے اخلاق کے سبب ملی۔ اور پھر ان کے زوال کا سبب ان کی اخلاقی گراوٹ ہی بنی۔ "نحن ابناء الله واحباء ہ" کی دعویدار قوم قتل انبیاء علیہم السلام اور محض اپنی بدکرداری کی وجہ سے مغضوب علیھم ٹھہری۔ یہاں تک کہ ابراہیمی ورثہ یعنی سلسلۂ نبوت بھی آلِ اسماعیل میں منتقل ہو گیا اور اب آخر الامم کے اجتباء کا الٰہی فیصلہ صادر ہو گیا۔ بنی اسرائیل کو اس انجام سے ان میں مبغوض ہونے والوں کو تمام انبیاء علیہم السلام نے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا۔

ایک اصلاح طلب جملہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی باہمی چار ہزار سالہ آویزش کو اس پس منظر میں دیکھنا چاہیے کہ انبیائے بنی اسرائیل بھی پیغامِ الٰہی کا پرچار کرتے رہے۔ یہود میں جو برائیاں جنم لیا کرتی تھیں، ان کی اصلاح فرماتے رہے اور بنی اسماعیل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرما کر قیامت تک کے لیے وراثت ابراہیمی کو محفوظ کر دیا کیونکہ یہی منشائے الٰہی اور کاتب تقدیر نے ازل سے فیصلہ کر دیا تھا۔ تمام مضامین و مقالات اہل فکر و نظر کو دعوت مطالعہ دیتے ہیں لیکن کتاب کا مقالہ نہم "ختم نبوت میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا پہلو" ایک نادر مقالہ ہے جسے سنام المقالات کا درجہ حاصل ہے کیونکہ تاریخ اسلام میں فاضل مصنف نے ختم نبوۃ پر اپنے منفرد انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ تعمیر سیرت کے حوالہ سے امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی کا حل بھی پیش کیا گیا ہے۔ تعلیمی اداروں بالخصوص عوامی کتب خانے اس کتاب کو اپنی لائبریریوں کی زینت بنا کر تحریک اصلاح معاشرہ میں اپنا کردار بھرپور طور پر ادا کریں جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔ طباعت، جلد بندی اور دیگر اشاعتی اوصاف سے مزیّن زیر تبصرہ کتاب ہر فرد کی ضرورت ہے۔

’اکیڈمی‘ کی جدید مغربی علمی اصطلاح یونانی پس منظر رکھتی ہے

قرآن اکیڈمی

(کی اصطلاح میں ذیل میں دیے گئے مضمون میں جدید مغربی سیکولر اور قدیم یونانی دیومالائی
(بت پرستانہ) تصورات کو قرآن (آسمانی ہدایت) کے تابع کرنے کی آرزو پنہاں ہے)

جمیل احمد

سائنسی اصطلاحات اور ان کا پس منظر

(ماخوذ از: سہ ماہی ’’اُردو سائنس میگزین‘‘ جنوری تا جون 2014ء)

اکیڈمی(ACADEMY)

یونان کا ایک مشہور شہر ایتھنز ہے۔ قدیم زمانے کی بات ہے کہ اس شہر کا ایک بہادر جوان تھیسیئس (THESEUS) ایک مرتبہ جنوبی یونان کے ایک قدیم شہر اسپارٹا(SPARTA) میں موجود زیوس(ZEUS) دیوتا کی خوبصورت بیٹی ہیلن (HELEN) کو لے بھاگا۔ اس شہزادی کو بعد میں ٹرائے (ایشیائے کوچک کی ایک سلطنت) کے ایک شہزادے پارس نے اغوا کرلیا جس کے نتیجے میں یونانیوں اور ٹرائے کے شہریوں کے درمیان دس سال تک ایک زبردست جنگ لڑی گئی جو ٹروجنی جنگ (TAROJAN WAR) کے نام سے مشہور ہے۔ ہیلن کے بھائیوں کیسٹر (CASTOR) اور پولیڈوسس (POLYDEUCES) نے اپنی بہن کو ہر جگہ تلاش کیا۔ آخر کار ایتھنز ہی کے ایک باشندے اکیڈیمس (ACADEMUS) نے وہ جگہ تلاش کر لی جہاں اسے چھپایا گیا تھا۔ اسی وجہ سے ایتھنز اور اسپارٹا کے درمیان ہونے والی جنگوں میں اسپارٹا کے باشندے (جو کیسٹر اور پولیڈوسس کی بہت عزت کرتے تھے) جب بھی ایتھنز کی سلطنت پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے اکیڈیمس کی املاک کے علاقے کو ہمیشہ بچائے رکھا۔ یہ علاقہ ایتھنز کے

جنوب مغرب میں تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔اس کا نام''اکیڈیمیا''(ACADEMEIA) رکھا گیا۔اس طرح سے یہ علاقہ جنگ وجدل کے زمانے میں بھی امن کی ایک علامت بن گیا۔

مشہور یونانی فلسفی افلاطون، اکیڈیمیا کے قریب ہی رہتا تھا۔ وہ نہ صرف اپنے شاگردوں کے ساتھ اکثر اس پرلطف مقام پر جایا کرتا تھا بلکہ یہاں اس نے انہیں پچاس سال تک فلسفے کی تعلیم بھی دی۔ پھراس کے جانشین مزید آٹھ سو سال تک یہاں علم حاصل کرتے رہے۔اسی سے آج کل استعمال ہونے والا ACADEMY (اکیڈمی) کا لفظ نکلا۔اگرچہ یہ زمانہ قدیم کی مشہورترین درس گاہ کا نام تھا۔لیکن آج بھی کچھ درس گاہوں کے ناموں کے ساتھ اسی کی مناسبت سے''اکیڈمی'' کا لفظ آتا ہے۔اب یہ اصطلاح عام کے طور پر ایسے پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے لئے مستعمل ہے جوطلباء کوتعلیم دے کر کالج کے درجے تک پہنچاتے ہیں۔

اسی سے ACADEMIC (اکیڈیمک) کی اصطلاح نکلی ہے۔اس کا اطلاق عام طور پر ہراس چیز پر ہوتا ہے جس کا تعلق ایسے تعلیمی اداروں سے ہواور خاص طور پر یہ اس طریقہ تعلیم کے لئے مستعمل ہے جس کی حوصلہ افزائی یہ ادارے کرتے ہیں۔افلاطون کا فلسفہ چونکہ خاصی حد تک نظری اور قیاسی مسائل سے متعلق تھا یعنی روزمرہ کے عملی معاملات سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا چنانچہ اسی وجہ سے آج بھی ACADEMIC سوال سے مراد ایسا سوال لیا جاتا ہے جس کے عملی طور پر کوئی معنی نہ ہوں اور جس کی دلچسپیاں صرف اور صرف نظری معاملات سے ہوں۔

دوسرے قدیم فلاسفہ نے بھی اپنے اپنے تعلیمی مقامات کے نام زبان میں داخل کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ارسطو اپنے شاگردوں کو ایک جمنیزم میں پڑھایا کرتا تھا۔ اس کو وہ LYKEION کہا کرتا تھا۔اب اسے LYCEUM (لائسیم) کہا جاتا ہے۔اس کا یہ نام نزدیک ہی موجود اپالو دیوتا کے مندر کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔ اس دیوتا کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ''بھیڑیوں کو مارنے'' کی بے پناہ سکت رکھتا ہے۔اس وجہ سے اسے "LYKEIOS" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا جو غالباً یونانی زبان کے "LYKOS" (بھیڑیا) سے نکلا ہے۔ چنانچہ اب بھی لائسیم کا لفظ ایک خاص طرز کے سکول یا لیکچر ہال کے لئے استعمال ہوتا ہے۔امریکہ میں اگرچہ یہ لفظ اکیڈمی جتنا مقبول نہیں ہے لیکن فرانس میں ہائی سکول کو LYCEE ہی کہا جاتا ہے

ایتھنز ہی میں زینو (ZENO) نامی ایک اور فلسفی، لوگوں کو فلسفے کی تعلیم دیتا تھا۔ وہ جس جگہ اپنے شاگردوں کو پڑھاتا تھا اسے وہ STOA POIKILE (یونانی زبان میں اس کے معنی ہیں ''رنگ روغن سے مزین بارہ دری'') کہتا تھا۔ اسی مناسبت سے فلسفے میں اس کے مکتبہ فکر کو STOICISM (رواقیت۔ رواق بمعنی پیش دالان یا بارہ دری) کہا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کہ ابدی اور حقیقی خوشی کے حصول کے لئے انہیں عارضی خوشی یا غمی کے جذبات کو قابو میں رکھنا چاہئے۔ چنانچہ آج بھی جو آدمی اپنے جذبات کا اظہار نہ کرے اسے STOIC (رواقی یعنی زینو کا چیلا) کہا جاتا ہے۔

New World Order / New World System

نیو ورلڈ سسٹم / نیو ورلڈ آرڈر

محمد فہیم
(تیمر گرہ ضلع دیر پائین)

گزشتہ شمارے میں 'نیو ورلڈ آرڈر' جو دراصل "JEW WORLD ORDER" ہے اور یوں یہ صہیونیت کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے، اس منصوبہ پر اہل مغرب سے ہی ایک واقف حال کا ایک چشم کشا تبصرہ بزبان انگریزی دیا گیا تھا، اب اسی مضمون کا اُردو ترجمہ بھی جو جناب فہیم خان (تیمر گرہ، دیر پائیں) کے قلم سے نکلا ہے، شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اُردو دان حضرات اس سے پورا استفادہ کر سکیں گے۔ (ادارہ)

80 کی دہائی کے اواخر میں جب یو ایس ایس آر کا خاتمہ ہوا تو اس بات کا غلغلہ رہا کہ دُنیا اب ایک قطبی رہ گئی، Bipolar نہیں رہی۔ امریکہ واحد سپر پاور رہ گیا۔ اس کے ساتھ اس بات کو نہایت شور وغل کے ساتھ اُٹھایا گیا کہ اب وقت آیا ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کا اپنی اصل شکل میں ظہور ہو۔ یہ بات عوام الناس میں تو سنائی دینے لگی تاہم اس کے متعلق تین بنیادی کیفیات سے زیادہ آگہی حاصل نہیں تھی یعنی یہ کہ نیو ورلڈ آرڈر یا سسٹم دراصل کیا ہے؟ اس کے پیچھے اصل ہاتھ کس کا ہے؟ اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟ ''ان حقائق کو جاننے کے لئے'' ایک گھر کے بھیدی نے 1969ء میں ایک لیکچر کے دوران بعض حیران کن انکشافات کیے تھے جو آج تک کافی حد تک واقع ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ وہ کچھ یوں ہیں:

☆ 20 مارچ 1969ء کو پیٹس برگ میں ڈاکٹر رچرڈ ڈے نے Pediatric society کے ڈاکٹروں کے ایک اجتماع میں ایک لیکچر کے دوران جو انکشافات کیے تھے، انھیں اس اجتماع میں شریک ایک اور ڈاکٹر لارنس ڈونگن نے 20 سال بعد یعنی 1988ء میں اپنی یادداشت سے

مرتب کیے ہیں۔ ڈاکٹر رچرڈ ڈے، جو 1989 میں انتقال کر گیا، نیو یارک میں پیڈیاٹرکس کا پروفیسر تھا جو مووُمنٹ سینائی میڈیکل سکول میں پڑھا رہا تھا اوراس سے قبل وہ پلینڈ پیرنٹڈ فیڈریشن آف امریکہ (Planned Parenthood Fedration of America) کا میڈیکل ڈائریکٹر رہ چکا تھا۔ یہ مضمون تین ٹیپ پر ڈاکٹر لارنس نے مکمل کیا ہے۔ ان میں سے دو ٹیپوں پر ریکارڈ شدہ مضمون جزوی طور پر یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ڈاکٹر لارنس یونیورسٹی آف پیٹس برگ میں ڈاکٹر رچرڈ ڈے کا شاگرد بھی رہ چکا ہے۔

(مقاصد: اگر ایک فقرہ میں بیان کیا جائے تو یہ نیو ورلڈ سسٹم کے عنوان سے انسانیت دشمن ایجنڈا ہے اور انسان کو انسانیت کے مقام سے گرا کر وحشیوں اور حیوانوں کی سطح پر لانے کا پروگرام ہے۔ مؤلف)

طریق کار: ہر ایجنڈا ایٹم کے دو اہداف ہیں: (1) حقیقی ہدف اور (2) نمائشی (OSTENSIBLE) یا غیر حقیقی جس کے ذریعے ان عملیات کو قابل قبول بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ حقیقی ہدف کی طرف لوگوں کو اجتماعی طور پر مائل کیا جا سکے۔

☆ 1969ء میں ڈاکٹر ڈے کا لیکچر دراصل پیشین گوئیوں پر مشتمل تھا جو مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی تھیں۔ یہ اندرونِ خانہ ایک فرد تھا اور اس سسٹم کے پروموٹرز میں سے ایک تھا۔ اس نے برملا اظہار کیا تھا کہ اس نیو ورلڈ سسٹم کے پیچھے ایک منظّم طاقت ہے جو دُنیا میں بڑے بڑے واقعات پر اثر انداز ہوتی رہی ہے۔ اس کی پیشین گوئیاں جو اس لیکچر میں سمو دی گئی تھیں، 20 سال کے اندر اندر ظہور پذیر ہو چکی تھیں۔ اس نے آئندہ 30 سالوں یعنی 20 ویں صدی کے اختتام سے پہلے تبدیلیوں کے مکمل ظہور کی بات کی تھی اور کہا تھا کہ جب ہم 21 ویں صدی میں داخل ہو رہے ہوں گے تو ''نیو ورلڈ سسٹم'' کا عملی طور پر نفاذ ہو چکا ہو گا۔

☆ مسٹر ڈے نے اپنے لیکچر میں بتایا تھا کہ تمام ضروری عوامل مکمل طور پر دستیاب ہیں اور اب اس راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں آ سکتی۔ اس نے بات کھول کر کہہ دی۔ اس نے ایسٹ ویسٹ کی مفاہمت کا ذکر کیا۔ اس نے واضح کیا کہ اکثر لوگوں کو علم ہی نہیں کہ فیصلے کہاں ہوتے ہیں اور حکومتیں کیسے بنتی اور کام کرتی ہیں۔ یہ جانے پہچانے چہرے اور مخصوص تنظیم ہیں جن کی پبلک فیلڈ میں بہت کم مداخلت ہوتی ہے۔

☆ پروفیسر ڈے دوران لیکچر زور دے رہا تھا کہ AUDIENCE نہ تو نوٹس لیں اور نہ ہی ٹیپ ریکارڈر استعمال کریں کیونکہ اس کے لیکچر کا چرچا ہونے پر وہ ایک منفی ردّعمل کو بعید از امکان نہیں سمجھتا تھا۔ اس لیکچر کے TUNE اور وہ فقرے جسے وہ بار بار دہرا رہا تھا، سے اس بات کی نشاندہی ہو رہی تھی کہ پروفیسر خود اس ''تبدیلی'' (CHANGE) کا ایک حصہ ہونے پر خوش نہیں تھا۔ اس کی یہ خواہش بول رہی تھی کہ اس ''سازش'' کے خلاف لوگ اُٹھ کھڑے ہوں اور اس معاملہ کو اس خاموشی کے ساتھ قبول نہ کیا جائے۔ (یہ لیکچر مختلف ذیلی عنوانات کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے تاہم یہاں ہم اس کی رواں ترجمانی پیش کر رہے ہیں۔ مولف)

☆ خاندانی منصوبہ بندی میں اصل ہدف آبادی پر کنٹرول تھا۔ دوران لیکچر وہ رہائشی جگہ، خوراک اور دیگر معاشی مسائل کا رونا رو رہا تھا۔ ایک ہدف یہ معلوم ہوتا تھا کہ آزاد شہوت رانی پر کوئی قدغن نہ ہو۔ لیکن بچوں کی پیدائش کو مانع حمل ادویات اور اسقاطِ حمل (ABORTION) کے ذریعے روکا جائے گا۔ سکولوں میں جنسی تعلیم کے ساتھ ساتھ مانع حمل عملیات اور برتھ کنٹرول کے طریقے عملی طور پر رائج کرنے کے لیے SCHOOL BASED CLINICS پہلے ہی سے قائم کیے جا رہے تھے۔ اصل مقصد یہ تھا کہ لوگوں کا رجحان باقاعدہ شادیوں کی طرف نہ ہو اور انھیں آزاد شہوت رانی کے مواقع زیادہ سے زیادہ میسر ہوں۔ 1969 سے پہلے اس فکر کے لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ اسقاط حمل کو مجرمانہ عمل نہیں شمار کیا جائے گا۔ جو لوگ مذہبی یا اخلاقی بنیادوں پر اسقاط حمل کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے وہ اپنے بچوں کے معاملے میں خود بخود اس کو قبول کرنے پر مجبور ہوں گے۔ پھر بھی اگر کوئی سخت طبیعت والے اس پر راضی نہ ہو تو اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی کیونکہ ایسے لوگ بہت قلیل تعداد میں ہوں گے۔ ہم جنس پرستی کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ عمر رسیدہ لوگوں کو بھی آخری عمر تک جنسی معاملات کے ساتھ متعلق رکھا جائے گا۔ آزاد شہوت رانی کے لیے ماحول کو سازگار بنایا جائے گا۔ لباس کے ایسے ڈیزائن اور سٹائل متعارف کیے جائیں گے جو زیادہ سے زیادہ شہوانی جذبے کو اُبھار سکیں۔ SEX کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کیا جا سکے گا۔ عورت اپنے جسم کو زیادہ سے زیادہ پُرکشش بنا کر DISPLAY کرے گی۔ جینز ایسے استعمال کیے جائیں کہ رانوں کے درمیان CROTCHES کو زیادہ نمایاں کر سکے۔ اس طرح سر پستان

(NIPPLES) پر باریک پردہ چڑھا کر زیادہ پُرکشش اور جنسی جذبہ اُبھارنے والے بنائے جائیں گے۔ REPRODUCTION اور SEX کو علیحدہ کیا جائے گا۔یعنی SEX بغیر REPRODUCTION کے ہوگی اور REPRODUCTION ٹیکنالوجی کے ذریعے کی جاسکے گی۔ یہ تمام شیطانی کام لیبارٹی میں ہوں گے۔

☆ خاندان کی اہمیت کا خاتمہ کیا جائے گا دو بچوں سے زیادہ کی اجازت نہ ہوگی لہٰذا خاندان مختصر ہوں گے۔طلاق کو آسان بنا کر نکاح کی بندش سے آزاد ہونا آسان بنایا جائے گا۔ بغیر نکاح کے لوگ اکثر ہوٹل اور اپارٹمنٹ میں رہیں گے کوئی سرزنش نہیں ہوگی۔عورتوں کو گھر سے باہر کام کے مواقع زیادہ مہیا کیے جائیں گے۔شوہروں کی دور دور تبدیلیاں (TRANSFERS) کی جائیں گی تاکہ ان کے اکھٹے رہنے کو DISTURB کیا جائے۔نتیجتاً بچے پیدا کرنے کے عمل کو ناپسندیدہ کیا جائے گا۔سفری سہولتیں آسان کر دی جائیں گی تاکہ ابتداً لوگ یہ سمجھیں کہ چلو کیا ہوا وہ آسانی سے آجا سکتے ہیں لیکن یہ تمام حربے خاندانی رشتوں کو کمزور تر بنانے کے لیے اختیار کیے جائیں گے۔خاوند بیوی دونوں ملازم ہوں تو ضروری نہیں کہ دونوں کو ایک ہی سٹیشن پر ٹرانسفر کیا جائے۔بہت جلد ان میں سے ایک کو جاب چھوڑ کر بے روزگاری کا شکار ہونا ہوگا۔

☆ عمر رسیدہ افراد جو کسی کام کے نہیں رہے وہ اب معاشرہ پر بوجھ تصور کیے جائیں گے لہٰذا ان کو موت کے حوالہ کرنے کے لیے حالات کو MANIPULATE کیا جائے گا۔علاج معالجہ کی سہولتیں مہنگی اور مشکل بنا دی جائیں گی۔حالات ایسے ہوں گے کہ ان لوگوں کو ان کے خاندان بھی برداشت نہ کر سکیں گے لہٰذا وہ "DEMISE PILLS" (موت کی گولیاں) کھا کر زندگی کی قید سے آزاد ہو جائیں گے۔ DEMISE PILLS بہت آسانی کے ساتھ دستیاب ہوں گی۔ میڈیکل CARE کو کام سے منسلک کیا جائے گا۔اگر آپ کام نہیں کر سکتے تو آپ کے لیے یہ سہولیات دستیاب نہیں ہوں گی۔لہٰذا موت کو ترجیح دی جائے گی۔انشورنس نہ ہونے کی صورت میں علاج معالجہ پر خرچہ معذور اور ضعیف لوگوں کے لیے ناممکن ہوگا۔ہسپتالوں کی سکیورٹی سخت کر دی جائیں گی اور یہ مریضوں سے زیادہ جرائم پیشہ لوگوں کے رکھنے کی جگہیں ہوں گی۔ یہاں ان سے اور کام لئے جائیں گے۔

☆ پرائیویٹ ڈاکٹری پریکٹس آہستہ آہستہ ختم کردی جائیں گی۔ ڈاکٹروں کو Skilled technician کے طور پر پہچانا جائے گا۔ ان سے ایسے کام لئے جائیں گے جیسے کسی کو انجکشن کے ذریعے مروانا (Lethal Inj) ڈاکٹری پریکٹس پرائیویٹ سے کارپوریٹ میں چلی جائے گی اور اس طرح ڈاکٹر اس نئے ورلڈ سسٹم کے بندے بن جائیں گے۔

☆ کینسر ایڈز اور دیگر مہلک بیماریوں کو آبادی کنٹرول کرنے کے لیے بطور آلہ استعمال کیا جائے گا۔ پروفیسر ڈے بتا رہا تھا کہ کینسر کا علاج اب بھی (1969) ممکن ہے تاہم کینسر کے مریضوں کے علاج کی نسبت ان کو آرام دہ ماحول فراہم کرنے پر ترجیح دی جائے گی۔

☆ نئی نئی امراض اور بیماریاں ''پیدا'' کی جائیں گی۔ ان کی تشخیص اور علاج بہت مشکل ہوگا۔ پروفیسر لارنس کا خیال تھا کہ AIDs ایسی بیماری ہے جو مصنوعی طور پر پیدا کی گئی اور پھیلائی گئی ہے۔ عارضہ قلب کو انسانی قتل کے لیے بطور آلہ استعمال کیا جائے گا، مرغن خوراک اور تیار خوراک کے لیے خوراک محل تعمیر ہوں گے جہاں لوگ فیملی کے ساتھ آکر کھائیں گے۔ لوگوں کا ہوٹلوں میں جا کر کھانے سے گھر میں کھانا تیار کرنے کی اہمیت گھٹتی جائے گی؛ لہٰذا کچن کی اہمیت کم ہوجائے گی، لوگ تن آسان ہوں گے، لوگ کاہل ہوکر ورزش پر زیادہ توجہ نہیں دیں گے اور اس لئے بیمار ہوکر موت کے منہ میں جائیں گے۔

☆ تعلیم کو جلد بلوغت تک پہنچانے کے لیے ذریعہ بنایا جائے گا۔ پروفیسر ڈے نے اس پر بات کی تاہم اس کی تفصیلات پروفیسر لارنس نے اس وجہ سے نہیں دیں کہ وہ اس کی یادداشت میں محفوظ نہیں رہیں۔

☆ مذاہب کو ملا کر ایک قوم بنایا جائے گا۔ پروفیسر Day نے یہ ملحدانہ اقرار کرلیا کہ لوگ مذہب چاہتے ہیں کیونکہ مذہب کے ساتھ کئی پوشیدہ راز اور رسومات وابستہ ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ مستقبل کی تبدیلیوں کے ساتھ مذاہب ہم آہنگ نہیں ہوسکیں گے لہٰذا قدیم مذاہب خصوصاً عیسائیت کو فنا ہونا پڑے گا اور علاج یہ ہے کہ رومن کیتھولک چرچوں کو روبہ زوال کیا جائے تو عیسائیت کے دوسرے Shades خود بخود ختم ہوجائیں گے۔ اس کے بعد بین الاقوامی طور پر مسلّم ایک مصنوعی مذہب بنایا جاسکے گا جس میں پرانے مذاہب سے بعض چیزیں شامل کی جائیں

گی اور لوگوں کے لیے قابل قبول بنایا جائے گا۔ اکثریت لوگوں کا مذہب سے تعلق رہے گا ہی نہیں۔ لہٰذا ان کے دل پر یہ بات لگے گی (They would realise) کہ انھیں مذہب کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔

☆ بائبل کو محرف کر کے اس نئے مذہب کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے گا۔ تمام بائبل میں تحریف کی ضرورت نہیں صرف اس کے بنیادی اصطلاحات کی تبدیلی اور انھیں نئی معنی پہنانے سے کام چلے گا۔ مکمل Redrafting کی ضرورت نہیں صرف Key words کو تبدیل کر کے مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر کا دعویٰ تھا کہ اس تحریف اور مذہب میں تبدیلی کے عمل میں ''چرچ'' کا مکمل تعاون حاصل ہوگا۔

☆ سکولوں کو ذہنی تبدیلیوں کے لیے بطور سنٹرز استعمال کیا جائے گا۔ مذہب اور بائبل میں تحریف کے ساتھ ساتھ لٹریچر میں جو classics (اعلیٰ چیزیں) ہیں وہ بدل دیے جائیں گے۔ یہ تبدیلیاں ایسی ہوں گی کہ عام آدمی انھیں پڑھتے ہوئے محسوس نہیں کر سکے گا۔ یہ تبدیلیاں بہت لطیف قسم کی ہوں گی مگر بہت بنیادی ہوں گی جو نئے سسٹم کو قبول کرنے میں معاون بنیں گی۔ سکولوں میں وقت گزاری زیادہ ہوگی لیکن طلباء کچھ حاصل کر کے واپس نہیں آئیں گے۔ گرمیوں کی چھٹیاں معطل کر دی جائیں گی۔ کوشش ہوگی کہ سکول میں سیکھنے کا عمل تیز کیا جائے۔ schooling کی مدت کو لمبا کیا جائے گا یعنی تعلیمی سال لمبا کیا جائے گا۔ چھٹیاں سال کے کسی بھی وقت میں ہو سکیں گے اور گرمیوں تک محدود نہیں رہیں گی۔ جو کچھ بیچلر پروگرام میں پہلے حاصل ہوتا تھا وہ اب ڈگریز کورسس میں حاصل کرنا ہوگا یعنی مدت زیادہ حصولِ علم کم۔ اس طرح بہت زیادہ سکول ٹائم ضائع ہوتا چلا جائے گا۔ مطالعہ میں زیادہ گہرائیت (intensive) لیکن اس میں Narrowness زیادہ ہوگی یعنی یہ extensive نہیں ہوگا۔ سپیشلائزیشن زیادہ ہوگی لیکن کسی فیلڈ میں specialized لوگ دوسرے ڈسپلن سے بالکل بے بہرہ ہوں گے اور اپنی لائن کے علاوہ کچھ بھی نہ سمجھیں گے۔ اپنے فیلڈ کے علاوہ دوسرے مضامین تک کی رسائی بہت مشکل ہوگی اس کے لیے کتابیں اور کمپیوٹر کی وصولی کی اجازت نہ ہوگی اِلا یہ کہ اس کے لیے معقول جواز موجود ہو۔

☆ پڑھائی کے علاوہ سکولوں کو بطور سوشل مرکز استعمال کیا جائے گا۔ وہاں مختلف فنکشن

کیے جائیں گے۔عمر کے بڑے لوگوں کو بھی ان مشاغل کے لیے سکول جانا ہوگا۔پھر نئی چیزوں کے ساتھ ان کی COMPATIBILTY نہیں ہو سکے گی اور اس لئے وہ اپنے آپ کو از کار رفتہ سمجھ کر مایوسی کا شکار ہوں گے۔اس طرح سکول کے بچے کئی مشاغل میں پھنس کر کسی ایک لائن سے بھی پوری طرح مستفید نہیں ہو سکیں گے اور اس لئے اپنے آپ کو از کار رفتہ سمجھ کر مایوسی کا شکار ہو جائیں گے لہٰذا ان میں سے ایک اچھی اکثریت مایوس ہو کر نکل آئے گی اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو کر منشیات اور شراب نوشی کا شکار ہو جائے گی ایسے لوگ خود بخود موت کے منہ میں جانے کے لیے DEMISE PILLS کا سہارا لیں گے۔

☆ بائبل میں تحریف اور کلاسکس میں تبدیلیوں کے علاوہ بعض کتابیں لائبریریوں سے گم کی جائیں گی۔اس کے لیے باقاعدہ لوگوں کو رکھا جائے گا کہ وہ ان کتابوں کو لائبریریوں سے چوری کر کے غائب کر دیں۔اس کے ساتھ ہی یہ پابندیاں عائد کی جائیں گی کہ کوئی بھی شخص کتاب کو بطور ملکیت اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکے گا۔

☆ قوانین میں تبدیلی لائی جائے گی۔اتوار کی سہولتوں کے متعلق قوانین میں تبدیلی کی جائے گی۔جوابازی کے متعلق قوانین کو آسان کر دیا جائے گا تاکہ یہ بیماری بڑھ سکے۔حکومت خود جوابازی میں شریک ہوگی۔اب تک بہت ساری لاٹریاں حکومتی سطح پر شروع کی جا چکی ہیں تاکہ اس طرح کی آمدنی نجی ہاتھوں میں جانے کی بجائے حکومت کو مل سکے۔ہاں لوگوں کو بھی اجازت ہوگی اور یہ ایک سول معاملہ ہوگا نہ کہ پرائیویٹ اور یہ غیر قانونی کام نہیں رہے گا۔بنکوں کے قوانین میں بھی تبدیلیاں کی جائیں گی۔جو قوانین بے اعتمادی اور غیر دیانتدارانہ معاملات کے سلسلے میں وضع کیے گئے تھے ان میں تبدیلی کی جائیں گی۔

منشیات اور الکحل کے استعمال کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ساتھ ہی ان کے متعلق قانونی عمل درآمد کو وسیع کیا جائے گا۔عجیب بات ہے کہ ایک طرف منشیات کے استعمال کو بڑھاوا دیا جاتا ہے اور دوسری طرف ان کے خلاف قوانین کا نفاذ مؤثر کرنے کی بات کی جارہی ہے۔ اصل راز یہ ہے کہ بڑی مقدار میں منشیات کی دستیابی سے تمام معاشرہ اس آفت میں مبتلا ہو جائے گا۔لہٰذا قوانین کو زیادہ کمزور Section کو eleminate کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا

تا کہ survival of the fittest والی بات آسان ہو۔ اس طرح ڈرگ استعمال بڑھنے سے بہت سارے ان فٹ لوگوں کو نکال باہر کیا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ جیلوں کی ضرورت ہوگی۔ ہسپتال زیادہ تر بطور جیل استعمال ہوں گے، نئے ہسپتالوں کی تعمیر جیل کی ضروریات کو سامنے رکھ کر کی جائیں گی۔ (یہاں پر پہلا ٹیپ ختم ہوتا ہے)

دوسرا ٹیپ

☆ لوگوں میں مختلف حربوں کے ذریعے غیر محفوظیت (INSECURITY) کا احساس بڑھا دیا جائے گا۔ گلی کوچوں کے ناموں کی تبدیلی خالی پڑے ہوئے بڑی عمارتوں کی ڈراونی صورت حال، ناقص پلوں اور عمارتوں کی تعمیر اور ان کا لوگوں کی زندگیوں کے لیے خطرہ بننے جیسی چیزیں لوگوں میں غیر محفوظیت کا احساس بڑھا دیں گی۔ وہ اس صورت حال سے خائف ہو کر انتقال مکانی چاہیں گے۔ لوگ مایوسی کا شکار ہوں گے۔ اس لیکچر کے کچھ عرصہ کے بعد ایسے واقعات رونما ہوئے جن میں تازہ بنائے گئے کئی عمارات اور پُل ڈھے گئے۔ SLUMS یعنی کچی آبادیاں پیدا کی جائیں گی۔ کچھ لوگ یہاں سے بہتر جگہوں پر منتقل ہونے کا سوچیں گے ایسے لوگوں کی باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ رہے گی۔

☆ پروفیسر کہہ رہا تھا کہ جرائم کو ان SLUMS میں محدود رکھا جائے گا اور یہ جرائم دوسرے بہتر مقامات پر منتقل نہ ہوسکیں گے۔ بہتر مقامات میں POLICING اور دیگر ذرائع کے ذریعے سیکورٹی کو بہتر بنایا جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک جگہ پر جرائم کا انسداد تو دوسری جگہ (SLUMS) میں یہ جرائم CONCENTRATE جانے کا عمل جاری رہے گا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ نئے سسٹم میں اگر جرائم کو بڑھاوا دیا جاتا ہے تو دوسری طرف SECURITY کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہی پروفیسر کا دعویٰ تھا۔

امریکی صنعتی تفوق کو آگے بڑھنے نہیں دینے کی بات بھی اس لیکچر کا حصہ تھا۔ پروفیسر رچرڈ بتا رہا تھا کہ امریکی تفوق کو ختم کر کے دُنیا کے دوسرے ممالک کو آگے بڑھنے کے لیے رول دیے جائیں گے۔ وہ بتا رہا تھا کہ کسی نئی عمارت کی تعمیر کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے سے موجود عمارت کو مسمار کیا جائے۔ اسی انالوجی پر وہ امریکی صنعت کی MONOPOLY کو اشارہ کر رہا

تھا۔ یہ بات خصوصی طور پر گاڑیوں کی صنعت کے متعلق تھی کہ امریکی صنعت کی کوالٹی کو مشکوک کر کے دوسرے ملکوں کی صنعتوں کو آگے لایا جائے۔ اسی طرح قومی کھیل BASE BALL کو پیچھے کر کے اس کی بجائے SOCCER کو آگے بڑھنے دیا جائے، کیونکہ یہ بیس بال بہت زیادہ 'امریکی' لگتا ہے۔ تدبیر یہ کی جائے گی کہ BASE BALL کے کھلاڑیوں کا معاوضہ بڑھایا جائے گا اس طرح عام لوگوں میں ان کے خلاف ایک ناپسندیدگی پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح ساتھی کھلاڑی بھی زیادہ معاوضہ والے کھلاڑیوں کے خلاف حسد کا شکار ہوں گے۔ لہٰذا وہ کھیل ہی کو خیر باد کہیں گے اور اب یہ کھیل بڑی تنخواہ والوں کی وجہ سے مالکان کے لیے بوجھ بنے گا۔ لہٰذا یہ قومی کھیل رو بہ زوال ہو جائے گا۔ فٹ بال کو زیر کرنا ذرا مشکل ہے کیونکہ اسے کئی ملکوں میں بشمول یورپ کافی اہمیت حاصل ہے اور چونکہ اس کھیل میں تشدد کا عنصر بھی شامل ہے لہٰذا اس سے صرف نظر کیا جائے گا۔ SOCCER کو بڑھوتری دے کر امریکہ کو انٹرنیشنل دُنیائے کھیل کا حصہ بنا دیا جائے گا۔ یہ کھیل پہلے سے ساؤتھ امریکہ یورپ اور ایشیا میں مقبول ہے لہٰذا امریکہ اس کلب میں شامل ہو کر BAND WAGON پر براجماں ہوگا۔

☆ اسلحہ کو عام لوگوں کے ہاتھوں میں جانے سے روکا جائے گا۔ شکار کے بہانے اسلحہ حاصل کرنا بند کر دیا جائے گا۔ متبادل کے طور پر شکار کے شوقین لوگوں کو حکومت کی طرف سے مقرر کردہ اداروں سے بندوق ایشو کروا کے شکار کھیلنے کے بعد واپس کرنا ہوگا۔

☆ لڑکیوں میں گڑیوں کے ساتھ کھیلنے کے مقابلے میں میدان میں آ کر مردوں کے ساتھ کھیلنے کے شوق اور جذبہ کو ابھارا جائے گا۔ اس ایجنڈے کے پیش نظر لڑکیوں کو زیادہ مواقع مہیا کر کے لڑکوں کے شانہ بشانہ لایا جائے گا تاکہ وہ کھیل کے میدان میں جوہر دکھا سکیں اور اب 20 سال کے بعد ہم اخبارات میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کے سکورنگ FIGURES دیکھ سکتے ہیں۔ (آج 2014 میں معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ مؤلف)

اب یہی رول ماڈل سمجھی جائیں گی اور جوں جوں عمر میں آگے بڑھیں گی وہ ایک ماں بننے کی بجائے اپنے آپ کو ایک ایتھلیٹ کی شکل میں دیکھنا زیادہ پسند کرے گی۔

☆ تفریح کے بہانے شہوانی اور متشددانہ رجحانات کی حوصلہ افزائی کے لیے وافر سامان مہیا

کیا جائے گا۔شہوانی اور ناشائستہ زبان کا استعمال زیادہ ہوگا۔سنیما کے پردوں اور TV پر فحش فلموں کی بہتات ہوگی۔VCR اگرچہ 1969ء میں نہیں تھے تاہم پروفیسر Day نے ان کے بہت جلد عام ہونے کا مژدہ سنایا تھا۔اس نے بتایا تھا کہ تم فلم کے پردہ پر وہ سب کچھ دیکھ سکو گے جن کا تم خیال کر سکتے ہو'ان تمام اقدامات کا واحد مقصد یہ ہے کہ شہوانی حرکات اور جنسی اشعال کو پورے طور کھول کر تشدد اور مارڈھار کے ساتھ لوگوں کو ہم آہنگ کر دیا جائے۔تشدد کے نتیجے میں لوگوں کی ہلاکت بھی پھر عام لوگوں کی آنکھوں میں کوئی غیر معمولی واقعہ معلوم نہیں ہوگا۔

☆ ڈاکٹر لارنس نے اس سلسلہ کا ایک واقعہ جو بڑا خونی تھا اپنے بچے سمیت فلم پر دیکھ لیا تھا اور وہ ڈاکٹر ڈے پر سخت غصہ تھا جو اس سسٹم کا حصہ تھا۔اسی طرح میوزک کو ترقی دے کر اور فحاشی کے بول نوجوان طبقہ میں پھیلا کر شہوت رانی اور سیکس کے لیے استعمال کیا جائے گا۔پُرانے میوزک آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گے کیونکہ ان کے ساتھ دلچسپی رکھنے والے عمر رسیدہ لوگوں کے بعد نئی نسل کے لیے ان میں کوئی کشش نہیں ہوگی۔پروفیسر ڈے کا دعویٰ تھا کہ پرانے لوگوں کو یہ سہولیات اس لئے بھی مہیا ہوں گی کہ وہ جنگ عظیم دوم کے صدمات کو بھلا سکیں اور 90 کی دہائی تک ایسے لوگ یقیناً ختم ہو چکے ہوں گے تو فحش میوزک کو زیادہ مربوط طریقہ سے آگے ترقی دی جا سکے گی۔(اب یہ کام اپنے آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔مؤلف)

☆ شناختی کارڈ اور بعد میں چمڑے کے نیچے تمام ڈیٹا امپلانٹ کر کے ہر آدمی کے نقل و حرکت پر نظر رکھی جائے گی۔آبادی بڑھنے کے احساس کو اجاگر کرنے کے لیے خوراک کی ENGINEERED قلّت پیدا کی جائے گی۔نجی طور پر خوردنی اشیا پیدا کرنے پر اس بہانے پابندی لگا دی جائے گی کہ ایسی پیداوار مضر صحت ہے۔یہ تمام چیزیں انہی SOURCES اور چینلز سے لینی ہوں گی جو اسی نئے سسٹم میں مہیا کیے جائیں گے۔

☆ پروفیسر نے موسم کو کنٹرول کرنے کی بات کی جو حیران کن تھی۔اس نے بتایا ''ہم موسم کو قابو کر سکتے ہیں یا بہت جلد ایسا کرنے کے قابل ہو جائیں گے''۔یہ بات صرف IODIDE کرسٹل کا ہوا میں ملا کر مصنوعی بارش کی حد تک نہیں رہے گی بلکہ درحقیقت ایسا ہوگا کہ کسی علاقے کی کاشت کے وقت بارش روک دی جائے گی اور کٹائی کے وقت بارشیں جاری کر دی جائیں گی تا کہ

اسے پیداوار سے محروم کیا جاسکے۔تفصیلات تو نہیں بتائی گئیں تاہم اتنا کہا کہ یہ پہلے سے ممکن ہو چکا ہے یا یہ کہ ہم اس کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں''۔

☆ جنگوں کے متعلق پروفیسر رچرڈ بتا رہا تھا کہ ''جنگوں'' کا خاتمہ ضروری ہے کیونکہ نیوکلیئر اسلحہ کی موجودگی میں یہ بہت خوفناک ہو چکی ہیں۔اس کے ساتھ ہی اس نے جنگ عظیم اوّل اور دوم کے فائدے بھی گنوائے کہ ان کے نتیجے میں آبادی کنٹرول ہوئی تھی کہ اگر وہ کروڑوں لوگ جو جنگ کا نوالہ بنے،اگر زندہ ہوتے تو کروڑوں بچوں کو جنم دیتے اور ہماری دُنیا بھر جاتی۔

☆ دہشت گردی یورپ اور دُنیا کے دوسرے حصوں میں وقوع پذیر ہوگی۔ہاں اگر امریکہ اس نئے سسٹم (NWS) میں دیر لگاتا ہے تو پھر وہاں بھی دہشت گردی ہوگی کیونکہ اسے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ دُنیا ایک خطرناک جگہ بنتی جارہی ہے اگر کنٹرول صحیح لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں دیا جاتا (مطلب یہ کہ USA کے اصل مالک اس نئے سسٹم کو متعارف کرنے والے لوگ ہوں گے نہ کہ وہ جو بظاہر حکومت کے اوپر بیٹھے ہیں۔مؤلف)

☆ اقتصادی کنٹرول بھی اس سسٹم کا اہم حصہ ہے۔اجتماعی کے علاوہ آپ کی انفرادی اقتصادیات کو بھی کنٹرول کیا جائے گا۔آپ کی تنخواہ الیکٹرانک بینکنگ کے ذریعے ہوگی اور بظاہر علیحدہ علیحدہ نظر آنے والے بنک ایک ہی ہوں گے۔وہ آسانی کے ساتھ تمہارے کل کوائف کنٹرول اور چیک کرسکیں گے اور تمہاری کل اقتصادی انفارمیشن بٹن دبا کر حاصل کرسکیں گے۔زیادہ بچت کرنے کو CURTAIL کیا جائے گا۔ٹیکس بڑھا کر لوگوں کو بے تحاشا دولت بچانے نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ طاقتور افراد اس نئے سسٹم کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔کریڈٹ کارڈ کی صورت میں تمہارے ہاتھ میں صرف پلاسٹک کا ٹکرا ہوگا اور تمہاری کل بچت اس ایک ہی بنک کے قبضہ میں ہوگی۔

☆ شناختی کارڈ سے لے کر چمڑے کے نیچے IMPLANT تک معاملہ چلے گا جو نہ گم ہوسکتا ہے نہ اسے بطور FAKE کسی کے لیے استعمال جاسکتا ہے۔آپ کے اکاؤنٹس بغیر کسی غلطی کے معلوم کیے جاسکیں گے۔پروفیسر نے اس سلسلہ میں بائبل کا بھی ذکر کیا مگر معاً یہ بھی کہا کہ یہ بات بائبل سے اخذ نہیں کی گئی ہے۔ان توہمات SUPERSTITIONS کے پیچھے نہ پڑیں۔ان IMPLANT کے ذریعے پیچھا کیا جاسکتا ہے۔ایسا بھی ہوگا کہ آپ TV دیکھ رہے

ہوں گے اور کوئی اور کسی مرکز سے تمہاری نگرانی کر رہا ہوگا۔اس کے علاوہ پروفیسر ڈے آڈیو مانیٹر کی بھی بات کر رہا تھا جو آپ کے کمرے میں کسی بھی تار (WIRE) کے ساتھ CONNECT کر کے آپ کی کل حرکات مانیٹر کی جاتی رہیں گی۔

☆ ذاتی ملکیتی مکان کا تصور خواب ماضی ہو جائے گا۔ Home ownership a thing of past قیمتیں اتنی بڑھیں گی اور اس کے لیے ذرائع بہم پہنچانا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہوگی۔مکان خریدنا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مشکل ترین کام بن جائے گا لوگ کرایہ دار بنتے جائیں گے۔ اپارٹمنٹس اور condominiums میں رہائش ہوگی۔ بہت سے گھر خالی پڑے رہیں گے کیونکہ کوئی انھیں خرید نہ سکے گا۔ تاہم قیمتیں نیچے کبھی نہیں آئیں گی۔لوگ مجبوراً چھوٹے چھوٹے اپارٹمنٹس میں رہنے پر مجبور ہوں گے جو زیادہ بچوں کو سما (accomodate) نہیں سکیں گے۔مالکان مکان رفتہ رفتہ کم ہو کر minority کی صورت اختیار کریں گے۔اپارٹمنٹس میں رہنے والی majority میں ان لوگوں کے لیے کوئی ہمدردی نہیں ہوگی۔ پھر بھاری ٹیکسوں اور دیگر بہانوں سے یہ مکان لئے جائیں گے۔ایسے اقدامات اس minority (مالکان مکان) کیلئے مہلک جبکہ majority (کرایہ اپارٹمنٹس میں رہنے والے) کیلئے قابل قبول ہوں گے۔''ایک سنٹرل ہاؤسنگ اتھارٹی'' ان کو جو بھی جگہ مہیا کرے گی لوگ وہاں رہنے پر مجبور ہوں گے یہ جگہیں رہائش کے لیے ناکافی اور غیر محفوظ ہوں گی اور ان کو اجنبی لوگوں کے ساتھ مجبوراً رہنا پڑے گا۔

☆ ایک totalitarian global system کا دور دورہ ہوگا۔لوگوں سے اس کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان (بیعت) لیا جائے گا تاکہ لوگوں کی طرف سے اس نئے نظام پر کسی قسم کے تحفظات باقی نہ رہیں اور نہ ہی وہ دوبارہ پُرانے سسٹم کی طرف رُخ کر سکیں گے۔ پروفیسر نے یہ بھی واضح کیا کہ جو لوگ بھی اس نظام کے ساتھ چلنا نہیں چاہتے ان کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہے گی۔شور و غوغا سے کچھ نہ ہوگا۔ایسے لوگوں کو مخصوص مقامات پر منتقل کر کے رکھا جائے گا۔ یہ لوگ وہاں زیادہ نہیں رہ سکیں گے اور ان سے جلد چھٹکارا حاصل ہو جائے گا، سسٹم ایسے لوگوں کو قبول نہیں کرے گا اور ان کے لیے واحد متبادل موت ہوگی۔ایسے لوگوں کو کسی شہادت کا درجہ نہیں دیا جائے گا کہ ان کی موت دوسرے لوگوں کے لئے ایسی سرتابی کی محرک بن سکے۔اس نے یہ بھی بتایا کہ ''ایسے لوگ بس غائب ہو جائیں گے'' اس نئے سسٹم کا آغاز موسم سرما کے کسی weekend

کو کیا جائے گا۔ جمعہ کی شام کو ہر چیز بند کردی جائے گی اور جب لوگ ہفتہ کی صبح کو جاگ اٹھیں کہ نئے سسٹم کا اعلان ہو رہا ہوگا۔ لوگوں کی زندگیاں اتنی مصروف بنائی جائے گی کہ کسی کو اپنے ماحول کو مشاہدہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوگی۔

☆ سرمایہ کاری (INVESTMENT) کے طور وطریقے اور ذرائع بالکل بدل دیے جائیں گے۔ شرح سود میں تبدیلیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ لوگوں کے لیے یہ حساب رکھنا ہی مشکل ہوگا کہ ان کے INVEST کردہ سرمایہ پر کتنا کچھ منافع ہوا ہے۔ موٹر گاڑیوں میں بظاہر بہت سی اقسام نظر آئے گی لیکن قریبی مشاہدہ سے معلوم ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے DUPLICATE ہی ہیں اور مختلف صنعت کاروں کی بنائی ہوئی ہیں۔

☆ غور کی بات ہے کہ یہ تمام باتیں ایک ہی فرد (Prof. Day) نے ایک ہی نشست میں کہی تھیں جو مختلف لوگوں کی کاوشوں کے متعلق تھیں اور پھر یہ دیکھیں کہ ان میں سے کتنی باتیں ہیں جو ظہور پذیر ہو چکی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تبدیلیاں 1969ء اور 1988ء کے درمیان یعنی تقریباً 20 سال کے اندر واقع ہو چکی ہیں اور کتنی چیزیں ہیں جن کی مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کی جا چکی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تمام کنٹرولڈ چیزیں ہیں اور ایک بہت بڑی سازش کے تحت وجود میں آ رہی ہیں۔

سب سے اہم

ہمارے لئے اب سوال یہ ہے کہ کیا کیا جائے؟ سب سے پہلے اپنے ربّ پر یقین اور ایمان پختہ کیا جائے اور اس باری تعالیٰ کی رہنمائی اور مدد کے لیے دست سوال دراز کیا جائے اور جتنا ہم سے ہو سکے اس صورت حال پر دوسرے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے یہ انفارمیشن پہنچانے کی کوشش کریں۔ ہو سکتا ہے بہت سے لوگ اس میں دلچسپی لیں گے۔ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے معاملات میں اتنے مصروف ہوں کہ اس پر توجہ دینے کے لیے ان کے پاس کوئی فرصت ہی نہ ہو۔ لیکن جو دلچسپی لے رہے ہوں ان کو ضرور مطلع کرنا ہوگا۔ دوبارہ اس بات پر فوکس کریں کہ اللہ تعالیٰ سے مسلسل استقامت اور رہنمائی کے طلبگار رہوں۔ ہمیں بہرصورت آزادی اور انصاف پر مبنی نظام چاہیے جس سے تمام لوگ مستفید ہو سکیں۔ اور یہ نظام خلافت علیٰ منہاج النّبوۃ ہی میں ہو سکتا ہے جس کے لیے ہر کلمہ گو کو اپنا حصہ ادا کرنا چاہیے۔

سیلاب...... چند قابل توجہ امور

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ کا پیغام

اس وقت جب کہ پاکستانی قوم سیلاب سمیت پے در پے عذابوں اور آزمائشوں سے گزر رہی ہے۔اس نازک صورتحال، مشکلات اور مصائب کی سنگینی سے عہدہ برآ ہونے کے لیے چند خصوصی امور پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کے غضب کو کم کیا جا سکتا ہے۔

- سب سے پہلے تو ہمیں اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنے اور اجتماعی طور پر توبہ واستغفار کرنے کی ضرورت ہے۔
- شریعت نے ہمیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی حادثے کے آنے سے قبل اس کی فکر اور تیاری کرنے اور حسن تدبیر اور سلیقہ مندی کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔
- سیلاب کے حوالے سے قابل غور معاملہ انڈیا کا طرزِ عمل ہے جس نے دریاؤں پر ڈیم بنائے، ہمارا پانی چوری کر کے ہماری سرزمین کو بنجر بنانے کی کوشش کی گئی اور پھر جس طرح اچانک اس پانی کو چھوڑ کر آبی دہشت گردی کا ارتکاب کیا گیا ہے اس پر عالمی سطح پر بھرپور آواز بلند کرنے کی ضرورت ہے۔
- عوام الناس اور خاص طور پر مذہبی، سیاسی اور رفاہی وفلاحی تنظیموں کے رضا کاروں اور کارکنان کے ذمہ داری ہے کہ وہ آزمائش کی اس گھڑی میں انصارِ مدینہ کی یادیں تازہ کر دیں اور اپنے جان ومال اور کردار وعمل سے اپنے متاثرہ بھائیوں کی ہر ممکن مدد کریں۔
- مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے علاوہ علاقائی ذمہ داران، دینی و سیاسی مرکزی قائدین اور اکابرین پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ مشکل کی اس گھڑی میں اپنے دکھی بہن بھائیوں کی مدد اور خدمت کو ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے اپنا حصہ ڈالیں۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہماری قوم کو آزمائش کی اس گھڑی میں سرخرو فرمائے اور جاں بحق ہونے والوں کی مغفرت فرمائے۔آمین

اِنْ شَآءَ اللّٰہ

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

ماہِ نومبر 2014ء کا شمارہ

ایک خصوصی اشاعت کے طور پر

شائع کر رہا ہے

جس کا عنوان ہے:

جنوبی ایشیا میں

ھندو مسلم نظریاتی کشاکش

کا تاریخی جائزہ

آغازِ اسلام سے ایٹمی پاکستان تک

(610ء تا 2014ء)

اہل علم سے درخواست ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لیے قلمی تعاون فرمائیں۔ نیز موضوع سے متعلق تراشے، حوالہ جات اور مضامین 10 اکتوبر 2014ء تک ارسال فرمائیں یا مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

الحمدللہ　　　　　　　　　　　　　　　　　　　سلسلۂ مطبوعات 10

تعمیر سیرت و کردار

سیرت و کردار کے بعض مخفی گوشوں کی تعمیر کے فلسفے پر مشتمل چند مضامین اور خطبات کا مجموعہ شائع ہو گیا ھے

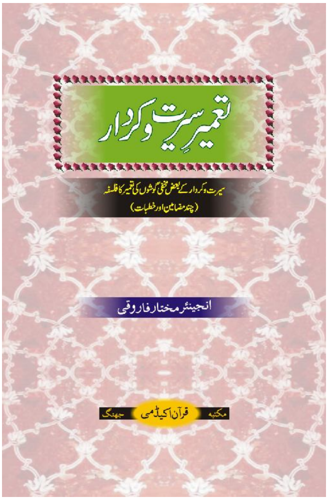

اس کتاب میں سیرت و کردار کی تعمیر کی بلندی کے لئے جن ناگزیر بنیادوں کا ذکر ہے وہ انسان کے زاویۂ نگاہ، نقطۂ نظر اور مطمع نظر کو بدل دینے والی ہیں اور چمکنے والی ناپائیدار چیزوں کی بجائے حقیقی ناگزیر باتوں پر نظر کو جمانے میں مدد دیتی ہیں اور انسانی کامیابی اور بلند کردار کے لئے صحیح نصب العین کو واضح کرتی ہیں۔

320 صفحات　　اعلیٰ جلد　　قیمت 450 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

عید الاضحیٰ

کی مبارک کے ساتھ

سیلاب زدگان اور آئی ڈی پی حضرات

کو عید کی خوشیوں میں شریک کرنے کی

درخواست

(ادارہ)